مجلس انصاراللہ یو.کے. کا علمی تعلیمی و تربیتی مجلہ

انصار الدین

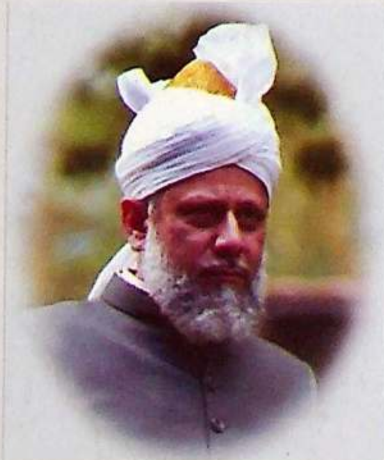
مئی۔جون 2005 جلد 2 نمبر 3 ہجرت۔احسان 1383 ھش



"تمھارے لئے دوسری قدرت کا بھی
دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمھارے
لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا
سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔"

(رسالہ الوصیت)















HAZUR AQDAS TOUR OF EAST AFRICA

Courtesy of
AlIslam.org







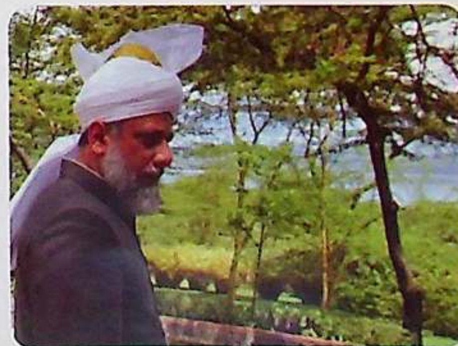












بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ

انصار الدین

جلد۲ نمبر۳

مئی تا جون ۲۰۰۵ء

انصار اللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔

(انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

مدیر اعلیٰ

ڈاکٹر شمیم احمد

مدیر (اردو)

محمود احمد ملک

نائبین

شیخ طارق محمود

سید حسن خان

مدیر (انگریزی): **احد بھنو**

مینیجر: **محمد اسحٰق ناصر**

181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF

اداریہ:

خلافت......ایک عظیم نعمت

کُل عالمِ اسلام میں جماعتِ احمدیہ وہ واحد جماعت ہے جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ پر قائم ہے اور نظامِ خلافت کے تحت ایک امام کے ہاتھ پر جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خلافتِ احمدیہ پر تقریباً ایک سو سال پورے ہونے والے ہیں۔ امام الزمان سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خبر پاکر اپنی جماعت کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ خلافتِ احمدیہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ آپؑ نے فرمایا: ”تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اُس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ ...... میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔“ (الوصیت صفحہ 306-305)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بشارت کے تحت جماعت احمدیہ میں خلافت کا نظام رائج ہے اور خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز تمام جماعت کے آقا و مطاع ہیں اور ساری جماعت کامل وفاداری کے ساتھ شمعِ خلافت کے گرد پروانوں کی طرح جمع ہے۔ جماعت احمدیہ ایک عرب شاعر کے لازوال شعر کی حقیقی طور پر مصداق ہے:

اذا سیّد منا خلا قام سید

قول لما قال اکرام فعول

یعنی جب ہم میں سے ایک سردار گزر جاتا ہے تو اس کی جگہ ویسا ہی ایک دوسرا کھڑا ہو جاتا ہے جو قوم کے پہلے قابلِ احترام لوگوں کی طرح کثرت سے اچھی باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور صرف گفتار کا غازی ہی نہیں بلکہ کردار کا بھی غازی ہوتا ہے۔

پس یہ امر زندہ قوموں کی علامت ہے کہ ایک عظیم سردار کے بعد دوسرا عظیم سردار اُن کی رہنمائی کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور جماعت احمدیہ کی تاریخ اس کی سچائی پر گواہ ہے۔

درحقیقت اس مضمون کا تعلق سورۃ نور کی آیت استخلاف کے ساتھ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے سچی خلافت کی دو نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ پہلی یہ کہ خلافت کے ذریعہ مومنوں کی جماعت کو استحکام بخشا جائے گا اور وہ ترقی پر ترقی کرتے چلے جائیں گے اور ان کا ہر آنے والا وقت گواہی دے گا کہ وہ پہلے سے زیادہ ترقی کرتے چلے جارہے ہیں۔ اسلام کے دورِ اوّل میں جب خلافتِ راشدہ کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت اسلام صرف عرب تک محدود تھا مگر خلافت کی برکات کے نتیجہ میں بے شمار ترقیات نصیب ہوئیں حتیٰ کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی چابیاں مسلمانوں کو عطا کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی سلوک جماعت احمدیہ کے ساتھ نظر آتا ہے کہ خلافت کے آغاز میں جماعت کی اکثریت صرف ہندوستان تک محدود تھی مگر اس کے بعد خلافت کی برکت سے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام نہایت شان سے پورا ہو رہا ہے کہ ”میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا“۔ چنانچہ وہی خلافت جو کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے دَور میں ایک ننھا سا پودا تھا، آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک قد آور، تنومند اور مضبوط درخت بن چکا ہے اور اس کی شاخیں سارے عالم پر محیط ہیں اور کروڑوں سعید روحیں اس کے سایہ تلے آرام یافتہ ہیں۔ جماعتِ احمدیہ پر طلوع ہونے والا ہر دن اس بات کا گواہ ہے کہ اس کا قدم ترقی کی شاہراہوں پر گامزن ہے۔

خلافت کی دوسری نشانی یہ بیان فرمائی گئی کہ مومنین کے ہر خوف کو امن کی حالت میں بدل دیا جائے گا۔ چنانچہ جماعتِ احمدیہ پر بے شمار ایسے وقت آئے جب مخالفین نے بڑے زور شور سے حملہ کر کے یہ اعلان کیا کہ اب جماعت کو نیست و نابود کر دیا جائے گا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے غالب اور طاقتور ہاتھ سے جماعت کو ہر طوفان سے بچالیا اور ہر خوف کو اطمینان کی حالت میں تبدیل کر دیا۔

پس خلافت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا انعام ہے جسے بے حد قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیے۔ ہمیشہ اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہماری زندگی خلافت کے ساتھ وابستہ ہے اس لئے ہر احمدی کو ہمیشہ نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے تیار رہنا چاہیے اور اپنی نسلوں کو بھی اس مقصد کے لئے تیار کرنا چاہیے۔

درس القرآن

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِی لَایُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔

(سورۃ النور:56)

یعنی اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنادے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنادیا تھا اور جو دین اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے وہ ان کے لئے اسے مضبوطی سے قائم کردے گا اور ان کے خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لئے امن کی حالت میں تبدیل کردے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دیئے جائیں گے۔

یہ وہ آیت ہے جس سے دونوں سلسلوں یعنی سلسلہ خلافتِ موسویہ اور سلسلہ خلافتِ محمدیہ میں مماثلت ثابت ہوتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ نبوتِ محمدیہ کے خلفاء سلسلہ نبوتِ موسویہ کے خلفاء کے مانند ہوں گے۔ اس آیت میں پہلے خلفاء سے مراد حضرت موسیٰ کے قوم کے خلفاء ہیں جو تعداد میں بارہ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعت قائم کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ سارے حضرت موسیٰ کی قوم میں سے تھے۔ موسوی سلسلہ کا خاتم الانبیاء حضرت عیسیٰ تھے جو بن باپ کے ہونے کی وجہ سے حضرت موسیٰ کی قوم میں سے نہیں تھے۔ اسی طرح سلسلہ محمدیہ میں بھی خاتم الخلفاء حضرت محمد ﷺ کی قوم میں سے نہ ہوگا کیونکہ وہ اپنے آباؤاجداد کی رو سے قریش میں سے نہ ہوگا۔ دوسری مماثلت یہ ہے کہ جیسے موسوی سلسلہ کا خاتم الخلفاء مسیح تھا اسی طرح ضرور تھا کہ سلسلہ محمدیہ کا خلفاء کا خاتم بھی ایک مسیح ہی ہو۔ تیسری مماثلت یہ ہے کہ موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء کی طرح مسیح موعود بھی ضعف کے وقت آئے گا اور مسلمانوں کی اکثریت دوسری طاقتوں کے نیچے محکوم ہوگی جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت یہودیوں کی حالت ہورہی تھی کہ وہ غیر قوم کے تحت محکوم تھے۔ چوتھی مماثلت یہ ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ کی قوم نے انہیں ماننے سے انکار کردیا تھا اور فقیہ اور یہود کے علماء ان کی جان کے دشمن ہوگئے تھے اور ان پر کفر کے فتوے لگائے گئے اور انہیں طرح طرح کے دکھ دیئے اسی طرح اسلام کے مسیح موعود پر بھی کفر کے فتوے لگائے جائیں گے اور اسے ہر طرح کا دکھ دیا جائے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: "چونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ حسبِ وعدہ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ آخری خلیفہ اس امت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رنگ میں آئے گا اور ضرور ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح قوم کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے اور اس پر کفر کا فتویٰ لکھا جاوے اور اس کے قتل کے ارادے کئے جائیں۔ اس لئے ترحّم کے طور پر تمام مسلمانوں کو یہ دعا سکھلائی کہ تم خدا سے پناہ چاہو کہ تم ان یہودیوں کی طرح نہ بن جاؤ جنہوں نے موسوی سلسلہ کے مسیح موعود کو کافر ٹھہرایا تھا اور اس کی توہین کرتے تھے اور ان کو گالیاں دیتے تھے۔" (تحفہ گولڑویہ) اسی طرح آپؑ فرماتے ہیں: "وہ زمانہ جو دجالی فتنہ کا زمانہ ہے جو مسیح کے عہد میں آنے والا تھا جس سے پناہ مانگنے کے لئے اس آیت میں اشارہ ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ اور اس زمانہ کے لئے یہ پیشگوئی سورۃ نور میں موجود ہے وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْناً۔ اس آیت کے معنے پہلی آیت کیساتھ ملاکر یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دین پر آخری زمانہ میں ایک زلزلہ آئے گا اور خوف پیدا ہوجائے گا کہ یہ دین ساری زمین پر سے گم نہ ہو جائے تب خدا تعالیٰ دوبارہ اس دین کو روئے زمین پر متمکن کردے گا اور خوف کے بعد امن بخشے گا۔" (لیکچر لاہور صفحہ 41)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عن حذیفة رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم تکون النبوة فیکم ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعها اللّٰہ تعالی ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعها اللّٰہ تعالی ثم تکون ملکاً عاضا فتکون ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعها اللّٰہ تعالی ثم تکون ملکاً جبریة فتکون ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعها اللّٰہ تعالیٰ ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة ثم سکت۔

(مسند احمد بحواله مشکوة باب الانذار والتحذیر)

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر وہ اس کو اٹھالے گا اور خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس نعمت کو بھی اٹھالے گا۔ پھر اس کی تقدیر کے مطابق ایذا رساں بادشاہت قائم ہو گی (جس سے لوگ دل گرفتہ ہوں گے اور تنگی محسوس کریں گے) جب یہ دور ختم ہو گا تو اس کی دوسری تقدیر کے مطابق اس سے بھی بڑھ کر جابر بادشاہت قائم ہو گی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آجائے گا اور اس ظلم و ستم کے دور کو ختم کردے گا۔اس کے بعد پھر خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ یہ فرما کر آپؐ خاموش ہو گئے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر جو عظیم الشان خوشخبری بیان فرمائی وہ یہ تھی کہ اگرچہ آنحضور ﷺ کے بعد قائم کی جانے والی خلافت ایک عرصہ کے بعد جاری نہیں رہ سکے گی لیکن پھر ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب نبوت کے بعد دوبارہ خلافت جاری ہو گی اور پھر یہ سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

آج خلافت احمدیہ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کی صداقت کا ثبوت اور اس کی سچائی کا زندہ نشان ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق انشاءاللہ یہ خلافت تاقیامت جاری رہے گی جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے:

"تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا"۔

خدا کرے ہم اعمال صالحہ کی راہوں پر گامزن رہیں اور اپنے اس عہد پر پورا اتریں کہ ہم ہمیشہ خلافت احمدیہ کے استحکام کے لئے سینہ سپر رہیں گے، خدا آنے والی نسلوں کو بھی اس کی توفیق بخشے کہ وہ اس نعمت عظمیٰ کی حفاظت اور استحکام کے لئے کوشاں رہیں آمین۔

ارشاد حضرت خلیفة المسیح الثانیؓ

"تم خوب یاد رکھو کہ تمہاری ترقیات خلافت کے ساتھ وابستہ ہیں اور جس دن تم نے اس کو نہ سمجھا اور اسے قائم نہ رکھا وہی دن تمہاری ہلاکت اور تباہی کا دن ہو گا۔ لیکن اگر تم اس حقیقت کو سمجھے رہو گے اور اسے قائم رکھو گے تو پھر اگر ساری دنیا مل کر بھی تمہیں ہلاک کرنا چاہے گی تو نہیں کر سکے گی...... بیشک افراد مریں گے۔ مشکلات آئیں گی۔ تکلیفیں پہنچیں گی مگر جماعت کبھی تباہ نہ ہو گی بلکہ دن بدن بڑھے گی اور اس وقت تم میں سے کسی کا مرنا ایسا ہی ہو گا جیسا کہ مشہور ہے کہ اگر ایک دیو کٹتا ہے تو ہزاروں پیدا ہو جاتے ہیں۔ تم میں اگر ایک مارا جائے گا تو اس کی بجائے ہزاروں اس کے خون کے قطروں سے پیدا ہو جائیں گے"۔ (درس القرآن صفحہ ۷۳)

کلام الامام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اس نے انسان کو پیدا کیا ہے ہمیشہ اس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور ان کو غلبہ دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ﴿کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ﴾ (المجادلہ: ۲۲)۔ (ترجمہ: خدا نے لکھ رکھا ہے کہ وہ اور اس کے نبی غالب رہیں گے)۔ اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ اُن کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں، اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے۔ لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن و تشنیع کا موقعہ دے دیتا ہے۔ اور جب وہ ہنسی اور ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔

غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔ (۱) اول خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ (۲) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور اُن کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا ﴿وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمۡ الَّذِی ارۡتَضٰی لَھُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِھِمۡ اَمۡنًا﴾ (النور: ۵۶) یعنی خوف کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جبکہ حضرت موسیٰ مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزل مقصود تک پہنچاویں، فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں ان کے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا۔ جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بے وقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰؑ کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا اور صلیب کے واقعہ کے وقت تمام حواری تتر بتر ہو گئے اور ایک ان میں سے مرتد بھی ہو گیا۔

سو اے عزیزو! قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن جب میں جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی"۔

(رسالہ الوصیت۔ روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۴، ۳۰۵)

ارشادات سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضور انور کا تاریخی خطاب

"احبابِ جماعت سے صرف ایک درخواست ہے کہ آج کل دعاؤں پر زور دیں، دعاؤں پہ زور دیں، دعاؤں پہ زور دیں۔ بہت دعائیں کریں، بہت دعائیں کریں، بہت دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنی تائید و نصرت فرمائے اور احمدیت کا یہ قافلہ اپنی ترقیات کی طرف رواں دواں رہے آمین۔"

(خطاب 22اپریل2003 مشعل راہ جلد پنجم صفحہ1)

احبابِ جماعت کے نام پیغام

"قدرتِ ثانیہ خدا کی طرف سے ایک بہت بڑا انعام ہے جس کا مقصد قوم کو متحد کرنا ہے اور تفرقہ سے محفوظ رکھنا ہے۔ یہ وہ لڑی ہے جس میں جماعت موتیوں کی مانند پروئی ہوئی ہے۔ اگر موتی بکھرے ہوں تو نہ تو محفوظ ہوتے ہیں اور نہ ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ ایک لڑی میں پروئے ہوئے موتی ہی خوبصورت اور محفوظ ہوتے ہیں۔ اگر قدرتِ ثانیہ نہ ہو تو اسلام کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ پس اس قدرت کے ساتھ کامل اخلاص اور محبت اور وفا اور عقیدت کا تعلق رکھیں اور خلافت کی اطاعت کے جذبہ کو دائمی بنائیں اور اس کے ساتھ محبت کے جذبہ کو اس قدر بڑھائیں کہ اس محبت کے بالمقابل دوسرے تمام رشتے کمتر نظر آئیں۔ امام سے وابستگی میں ہی سب برکتیں ہیں۔ اور وہی آپ کے لئے ہر قسم کے فتنوں اور ابتلاؤں کے مقابلہ کے لئے ایک ڈھال ہے۔...... اگر آپ نے ترقی کرنی ہے اور دنیا پر غالب آنا ہے تو میری آپ کو یہی نصیحت ہے اور میرا یہی پیغام ہے کہ آپ خلافت سے وابستہ ہو جائیں۔ اس حبل اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ ہماری ساری ترقیات کا دارومدار خلافت سے وابستگی میں ہی پنہاں ہے۔"

(مشعل راہ جلد پنجم صفحہ5)

نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے ہر دم تیار رہیں

"اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظامِ خلافت کے لئے آخر دم تک جدوجہد کرنی ہے اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنا ہے۔ اور اپنی اولاد کو ہمیشہ خلافتِ احمدیہ سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتے رہنا ہے۔ اور ان کے دلوں میں خلیفہ وقت سے محبت پیدا کرنی ہے۔ یہ اتنا بڑا اور عظیم الشان نصب العین ہے کہ اس عہد پر پورا اترنا اور اس کے تقاضوں کو نبھانا ایک عزم اور دیوانگی چاہتا ہے۔

پس اس بابرکت اجتماع کے موقع پر میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس اجتماع سے یہ عزم لے کر گھروں کو لوٹیں کہ نظامِ خلافت کی حفاظت کے لئے ہر دم تیار رہیں گے اور خلافتِ احمدیہ کے خلاف ہر شرارت کا سر کچل کر رکھ دیں گے"۔

(اجتماع جرمنی .مشعل راہ جلد پنجم صفحہ6)

خلافت میں ہی ہماری زندگی ہے

"یہ خلافت کی ہی نعمت ہے جو جماعت کی جان ہے۔ اس لئے اگر آپ زندگی چاہتے ہیں تو خلافتِ احمدیہ کے ساتھ اخلاص اور وفا کے ساتھ چمٹ جائیں۔ پوری طرح اس سے وابستہ ہو جائیں کہ آپ کی ہر ترقی کا راز خلافت سے وابستگی میں ہی مضمر ہے۔ ایسے بن جائیں کہ خلیفہ وقت کی رضا آپ کی رضا ہو جائے۔ خلیفہ وقت کے قدموں پر آپ کا قدم ہو اور خلیفہ وقت کی خوشنودی آپ کا مطمع نظر ہو جائے"۔

(مشعل راہ جلد پنجم صفحہ 165)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور استحکام خلافت

(محمد اکرم ملک)

نسب نامہ

حضرت ابو بکرؓ کا نام عبد اللہ تھا اور کنیت ابو بکر۔ والد ماجد کی کنیت ابو قحافہ تھی اور نام عثمان بن عامر تھا۔ والدہ ماجدہ کی کنیت ام الخیر تھی اور نام سلمٰی بنت صخر تھا۔ اسلام لانے سے قبل آپؓ کا نام عبد الکعبہ تھا لیکن اسلام لانے کے بعد رسول کریم ﷺ نے یہ نام تبدیل فرمادیا اور عبد اللہ نام عطا فرمایا۔ جب حضرت ابو بکرؓ جوان ہوئے تو عتیق کے نام سے پکارے جانے لگے۔ بعض روایات میں اس لقب کی وجہ آپؓ کا نہایت سرخ وسفید ہونا تھی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد ماجد کو عتیق کیوں کہا جاتا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: ھذا عتیق اللّٰہ من النار (اللہ کا یہ بندہ آگ سے آزاد شدہ ہے)۔ آپ کا سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے آپ کی کنیت ابو بکر پڑ گئی۔ "انّہٗ بکرا فی الاسلام قبل غیرہ" اور بعض روایات کی رو سے آپ کو چونکہ اونٹوں کی غور وپرداخت سے بہت دلچسپی تھی اور ان کے علاج معالجہ کے بہت ماہر تھے اور عربی زبان میں بکر 'جوان اونٹ' کو کہتے ہیں۔ اس لئے ان کی کنیت ابو بکر مشہور ہوگئی یعنی اونٹوں کا باپ۔

قبول اسلام:

حضرت ابو بکرؓ مکہ کے اس علاقہ میں رہائش پذیر تھے جہاں مکہ کے بڑے بڑے تجار رہتے تھے اور وہیں حضرت خدیجہؓ بھی رہائش پذیر تھیں۔ حضرت رسول کریم ﷺ کی جب حضرت خدیجہؓ سے شادی ہوگئی اور حضور ﷺ نے بھی اسی محلّہ میں سکونت اختیار فرمالی تو ہم عمری، پیشے میں اشتراک، طبائع میں یکسانیت، عقائد فاسدہ اور برائیوں سے نفرت کی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی ہوگئی۔ اور یہ دوستی دن بدن ترقی کرتی رہی اور جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ نے بغیر کسی تردّد اور توقف کے اسلام قبول کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والفت میں اپنے آپ کو سر تاپا غرق کر دیا اور ایمان کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی نظیر رہتی دنیا تک پیش نہیں کی جاسکے گی۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے والدین کو دینِ اسلام کی محبت میں ترقی ہی کرتے دیکھا۔ کوئی دن ایسا نہ ہوگا جب رسول خدا ﷺ ہمارے گھر صبح وشام تشریف نہ لائے ہوں۔

سیّدنا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"میں نے جس کسی کو اسلام کی طرف بلایا اس نے کچھ نہ کچھ تردّد اور ہچکچاہٹ کا اظہار کیا۔ سوائے ابو بکر بن ابی قحافہ کے۔ جب میں نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے بغیر کسی تامّل کے فوراً میری آواز پر لبیک کہی"۔

گویا کہ حضرت ابو بکرؓ آغازِ نبوت سے ہی آنحضرت ﷺ کی براہ راست زیر تربیت آگئے اور جو کچھ انہوں نے سیکھا وہ براہ راست حضور اقدس ﷺ سے سیکھا اور اس پیغام کو آگے پھیلانا شروع کیا۔ آپ چونکہ اہلِ مکّہ میں ہر دلعزیز تھے اس لئے آپ کے ذریعہ بڑے بڑے کبار صحابہؓ اسلام لائے جن میں حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت زبیرؓ بن العوام شامل ہیں۔

صدیق کا لقب

حضرت رسول کریم ﷺ کے اسراء کے واقعہ کی حضرت ابو بکرؓ نے اس رنگ میں تائید کی سعادت پائی کہ حضور ﷺ جب رات کا واقعہ اسراء بیان فرما رہے تھے تو چونکہ حضرت ابو بکرؓ بیت المقدس ہو آئے تھے اور وہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ اس لئے آپؓ آنحضور ﷺ کی باتوں کی تصدیق کرتے رہے۔ جس پر آنحضرت ﷺ نے آپ کو "صدیق" کا لقب عطا فرمایا۔

حضرت ابو بکرؓ کا بلند مقام

حضرت ابو بکرؓ نہ صرف اسلام کی قبولیت میں سبقت لے گئے تھے بلکہ ہر موقعہ اور ہر مرحلہ پر آپؓ نے آنحضرت ﷺ کی تائید کی سعادت پائی۔ اور ہر معاملہ میں مکمل پیروی کی۔ اور حضور ﷺ نے آپؓ کے بارہ میں فرمایا کہ "اگر میں بندوں میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ثانی اثنین اور صاحبِ رسول کا خطاب اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ اس سے بڑھ کر کسی اور صحابی کا کیا مقام ہوگا!۔

پھر رسول کریم ﷺ جب طائف تشریف لے گئے تو مکّہ میں آپؓ ہی کی سرکردگی میں اشاعت اسلام کا فریضہ سرانجام پاتا رہا۔ یثرب اور حبشہ کی طرف ہجرت کی صحابہؓ کو اجازت عطاء ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ نے بھی کفار کے مظالم سے تنگ آکر رخصت سے استفادہ کی خاطر رختِ سفر باندھا تو اپنے اس ارادہ کا ذکر رسول کریم ﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا: "ابھی ایسا نہ کرو۔ شائد اللہ کوئی تمہارا ساتھی پیدا کردے جو ہجرت کے موقع پر تمہارے ہمراہ ہو"۔ آنحضور ﷺ کا ہجرت میں توقف کرنے کا ارشاد سن کر آپؓ نے نہ صرف اپنے ارادہ میں فوراً تبدیلی کرلی بلکہ آپؓ کے دل میں سرور اور بہجت کی ایک لہر بھی دوڑ گئی اور آپؓ کو یقین ہوگیا کہ رسول کریم ﷺ ہجرت میں آپؓ کو اپنا ساتھی بنانا چاہتے ہیں۔ تب اسی روز حضرت ابو بکرؓ نے دو اونٹنیوں کا انتظام کیا اور ارشاد کا انتظار کرنے لگے۔ چنانچہ ایک روز حسب معمول شام کے وقت

حضور اکرم ﷺ آپ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یثرب کی طرف ہجرت کی اجازت دیدی ہے تو حضرت ابو بکرؓ نے بیتابی سے رفاقت کی خواہش ظاہر کی جسے آنحضور ﷺ نے بخوشی قبول فرمالیا اور بعض ضروری ہدایات دے کر واپس اپنے گھر تشریف لے گئے۔

پھر جب رسول کریم ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور نماز پڑھانے کے لئے مسجد تشریف نہ لاسکے تو آپؐ نے اپنی جگہ جس شخص کو امامت کے لئے منتخب کیا وہ حضرت ابو بکرؓ ہی تھے۔

چنانچہ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے اپنے بعد اشاعتِ اسلام کے فریضہ کی ادائیگی میں مسلمانوں کو راہنمائی کرنے کے لئے حضرت ابو بکرؓ ہی کو انسب ترین ہستی قرار دیا اور اپنے سایۂ شفقت میں رکھ کر آپؓ کی تربیت فرمائی۔ اور آپؓ نے بھی بے مثال اثر قبول کیا اور آپؓ آنحضور ﷺ کے نہ صرف ارشادات کے مطالب سمجھتے تھے بلکہ آپؐ کے اشارات کو بھی سمجھ لیتے تھے جس کا نمونہ کئی مواقع پر امت نے دیکھا۔ پس اشاعت اسلام کے نظام کو الٰہی منشاء کے مطابق آگے بڑھانے اور امتِ مسلمہ کی راہبری اور راہنمائی کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے آپؓ ہی مستحق تھے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خلافت کا تاج سب سے پہلے آپؓ کو عطا فرمایا۔

حضرت ابو بکرؓ اور استحکام خلافت

سیّدنا حضرت رسول کریم ﷺ کا وصال 12 ربیع الاوّل 11ھ بمطابق 3 جون 632ء کو ہوا۔ اسی دن صبح کے وقت آپؐ نے مرض الموت میں کچھ افاقہ محسوس کیا جس پر آپؐ حجرہ سے نکل کر مسجد تشریف لائے۔ اور صحابہؓ کو شرفِ ملاقات بخشا اور اسامہؓ بن زید امیر لشکر کو ہدایات دیں اور کامیابی کے لئے دعا کی اور پھر حجرہ میں تشریف لے آئے۔ آنحضرت ﷺ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں واپس پہنچانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ آپؐ کی صحت کے بارہ میں مطمئن ہو کر مدینہ کے نواح میں اپنے گھر مقام سنح تشریف لے گئے۔ وہیں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر آپؓ تک پہنچی تو آپؓ فوراً مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ مسجد نبوی میں حضرت عمرؓ تلوار ہاتھ میں لئے لوگوں کو دھمکا رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضورؐ وفات پاگئے ہیں، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابو بکرؓ کسی کی پرواہ کئے بغیر مسجد سے ہوتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے گئے، آنحضرت ﷺ کے رخِ مبارک سے کپڑا ہٹایا، رخسار پر بوسہ دے کر فرمایا: "کیا ہی بابرکت تھی آپ کی زندگی اور کیا ہی پاکیزہ ہے آپ کی موت"۔ پھر آپ مسجد تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا: "اے لوگو! جو شخص محمد کو پوجتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ محمدؐ تو فوت ہوگئے لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ یقیناً زندہ ہے اور اس پر کبھی موت وارد نہ ہوگی"۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی "وَمَا محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل ...... وسیجزی الله الشاکرین"۔ جب حضرت عمرؓ کے کانوں میں یہ آواز پڑی تو انہیں یقین ہوگیا کہ ہمارے محبوب آقا ﷺ واقعی ہم سے جدا ہوگئے ہیں۔ اس بات کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ اُن کی ٹانگوں نے اُن کا ساتھ نہ دیا اور وہ بے سدھ ہو کر گر گئے۔

اس واقعہ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شخصیت کتنی عظیم تھی۔ مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص ایسا تھا جو حضرت رسول کریم ﷺ کی جدائی کے صدمے کا اثر اس حد تک لے سکتا تھا جس حد تک حضرت عمرؓ پہنچے تو وہ صرف حضرت ابو بکرؓ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ وہ آپؐ کے صفی اور ہم نشین تھے۔ انہوں نے اپنی ساری عمر آپ کی خدمت اور اشاعت و ترویج اسلام کیلئے وقف کر دی تھی۔ جب حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے اپنے ایک بندہ کو حق دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی زندگی اختیار کر لے یا آخرت کی زندگی، اور اس نے آخرت کی زندگی اختیار کر لی تو حضرت ابو بکرؓ کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی اور آپؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپؐ پر ہماری جانیں اور ہماری اولاد قربان ہو، کیا ہم آپؐ کے بعد زندہ رہ سکیں گے؟" لیکن رسول کریمؐ کی وفات کا صدمہ آپؓ کو حضرت عمرؓ کی طرح بے ہوش نہ کر سکا۔ باوجود نہایت رقیق القلب ہونے کے، آپؓ نے سمجھ لیا کہ یہ وقت صدمہ میں چور ہونے کے باوجود امت کو سنبھالا دینے کا ہے۔ لہٰذا آپؓ نے آنحضور ﷺ کے وصال پر پہلا درس یہی دیا کہ اسلام کا خدا زندہ خدا ہے اور اس پر کبھی موت وارد نہیں ہوگی اور وہ یقیناً اسلام اور مسلمانوں کو لاوارث نہیں چھوڑے گا۔ یہی قوتِ ارادی تھی جسے بروئے کار لاکر حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں اور اسلام کو ایک ایسے فتنے سے بچا لیا جو اگر خدانخواستہ شدّت اختیار کر لیتا تو نہ معلوم مسلمانوں کا کیا حال ہوتا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں کے سامنے سب سے اہم مسئلہ آپؐ کے جانشین کا انتخاب تھا۔ انصار میں سے بعض کا خیال تھا کہ چونکہ انہوں نے مہاجرین کو پناہ دی تھی اور آڑے وقت میں جبکہ ان کی اپنی قوم نے ان کو نکال دیا تھا، ان کی مدد کی تھی اس لئے خلافت کے حقدار وہ ہیں۔ آنحضور ﷺ کی زندگی میں بھی اُن کی زبانوں سے بعض ایسے فقرات نکل گئے تھے جس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مہاجرین پر اپنے آپکو فائق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہوئے اور اپنے ایک سردار سعد بن عبادہ کو جو اس وقت بیمار تھے، اُن کے گھر سے وہاں لے آئے اور بحث شروع کر دی۔ پہلے تو سعد ان کی باتیں سنتے رہے پھر انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا کہ اپنی بیماری کے سبب سب لوگوں تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکتا تم میری باتیں سن کر انہیں بتادو۔ چنانچہ انہوں نے تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ: "اے انصار! تمہیں دینِ اسلام کی امداد کرنے کا جو شرف اور اسلام کی اعانت کرنے کی جو فضیلت حاصل ہے وہ عرب کے کسی اور قبیلے کو حاصل نہیں...... اللہ نے تمہیں ایمان لانے، اپنے انعامات کا وارث بنانے، فضیلت عطا کرنے اور بزرگی سے سرفراز کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ اس نے تمہیں رسول اللہ اور آپؐ کے صحابہ کی حفاظت کرنے، دین کی عظمت قائم کرنے، اپنی جانیں اسلام پر قربان کرنے اور دشمنوں سے جہاد کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے...... اب رسول اللہ وفات پاچکے ہیں۔ وہ عمر بھر تم سے راضی رہے۔ تم ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھے۔ اب تم خلافت اپنے ہاتھ میں لے لو کیونکہ تمہارے سوا خلافت کا مستحق کوئی نہیں"۔

حاضرین نے سعد کی باتوں کو سنا اور جواب دیا کہ آپ نے جو کچھ کہا، صحیح کہا۔ ہم آپ کی رائے سے اختلاف نہ کریں گے، خلافت کا کام ہم آپ ہی کے سپرد کرتے ہیں کیونکہ آپ ہی اس کے مستحق، صالح اور عبادت گذار بندے ہیں۔ دریں اثناء ایک شخص نے کہا کہ اگر مہاجرین نے ہماری بیعت سے انکار کیا اور کہا کہ ہم مہاجرین ہیں، رسول اللہ کے اوّلین صحابہ میں سے ہیں اور انصار کو ہمارے اس حق کا انکار نہ کرنا چاہیے تو کیا ہوگا؟ یہ سن کر مجمع پر سناٹا چھا گیا۔ بحث و تمحیص کے بعد ایک نے کہا کہ اس وقت ہم ان سے کہیں گے کہ اگر ایسا ہی ہے تو ایک امیر تم میں سے ہو جائے اور ایک ہم میں سے، ہم اس کے سوا اور کسی بات پر راضی نہ ہوں گے۔ اس پر سعد نے کہا کہ تم نے تو آغاز میں ہی کمزوری کا مظاہرہ شروع کر دیا ہے۔

دوسری طرف مسجد نبوی میں بڑے بڑے صحابہ مثلاً حضرت عمرؓ بن خطاب اور ابو عبیدہؓ بن جراح اپنے آقا کی وفات کے سانحہ کا ذکر کر رہے تھے جبکہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے اہل بیت تجہیز و تکفین کے انتظامات میں مصروف تھے۔ اِن صحابہ کو معلوم نہ تھا کہ انصار خلافت کے بارہ میں کوئی میٹنگ کر رہے ہیں۔ تاہم حضرت عمرؓ نے خلافت کے بارہ میں سوچنا شروع کر دیا اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے پاس آئے اور کہا: "اپنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں آپ کی بیعت کروں کیونکہ رسول اللہ کی زبانِ مبارک سے آپ کو امین الامت کا لقب مل چکا ہے"۔ اس پر ابو عبیدہؓ نے کہا کہ "عمر! تمہارے اسلام لانے کے بعد پہلی مرتبہ میں نے تمہارے منہ سے ایسی جہالت کی بات سنی ہے۔ کیا تم میری بیعت کرو گے جبکہ ہم میں وہ شخص موجود ہے جسے خداوند کریم کی طرف سے ثانی اثنین اور صاحب رسول کا خطاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صدیق کا لقب مل چکا ہے"۔ یہ دونوں انہی باتوں میں مشغول تھے کہ انہیں انصار کے اجتماع کی خبر ملی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو، جو کہ اس وقت حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تھے، کہلا بھیجا کہ ذرا باہر تشریف لایئے۔ انہوں نے جواباً کہلا بھیجا کہ میں مصروف ہوں، اس وقت باہر نہیں آسکتا۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ پیغام بھجوایا کہ فوری طور پر ایک ایسا واقعہ پیش آگیا ہے جس میں آپؓ کی موجودگی بہت ضروری ہے۔ اس پر حضرت ابو بکر باہر تشریف لائے اور پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین سے زیادہ اس وقت کونسا کام ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے بتایا کہ اس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہیں اور ارادہ کر رہے ہیں کہ سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنا دیں۔ ان میں سے ایک شخص نے یہ کہا ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر قریش میں سے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ فوراً حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ سقیفہ کی طرف چل پڑے۔ انصار کی گفتگو اور بحث ابھی جاری تھی کہ یہ تینوں وہاں پہنچ گئے۔ انہیں دیکھ کر انصار خاموش ہو گئے تو حضرت ابو بکرؓ اپنے دونوں ہمراہیوں کے درمیان تشریف فرما ہوئے اور خلافت پر گفتگو شروع ہوئی۔ انصار نے خلافت پر اپنا حق جتانا شروع کیا۔ اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کا خطاب سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ آپؓ نے ایسے انداز سے گفتگو فرمائی کہ انصار کے جذبات کو بھی ٹھیس نہ پہنچے اور معاملہ باحسن سلجھ جائے اور ایسی خلافت قائم ہو جس کو استحکام نصیب ہو۔ آپؓ کے خطاب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ حمد و ثناء کے بعد آپ نے فرمایا:

"عربوں کے لئے آباء واجداد کا دین ترک کر دینا نہایت شاق تھا اور وہ ایسا کرنے کے لئے بالکل آمادہ نہ تھے۔ اس وقت اللہ نے آپؐ کی قوم میں سے مہاجرین اوّلین کو آپؐ کی تصدیق کرنے، آپؐ پر ایمان لانے، آپؐ کی دلجوئی کرنے اور اپنی قوم کے مظالم کو صبر سے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہر شخص ان کا مخالف تھا، ان پر ظلم و ستم توڑے جاتے تھے، انہیں بدترین ایذائیں دی جاتی تھیں۔ لیکن وہ قلت تعداد اور کثرت اعداء کے باوجود مطلق خوفزدہ نہ ہوئے۔ وہ اس سرزمین میں اوّلین اشخاص ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور اس طرح اللہ کے حقیقی بندے بننے کی توفیق ملی۔ وہ رسول اللہ کے محبّ اور رشتہ دار ہیں اس لئے خلافت کے وہی مستحق ہیں۔ اور اس بارہ میں صرف ظالم ہی ان سے جھگڑا کر سکتے ہیں۔

اور تم اے گروہ انصار! وہ لوگ ہو جن کی فضیلت دین اور اسلام میں سبقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ نے تمہیں اپنے دین اور اپنے رسول کا مددگار بنایا۔ رسول اللہ نے ہجرت تمہاری طرف کی۔ آپؐ کی اکثر ازواج اور بیشتر صحابہؓ تمہی میں سے ہیں۔ مہاجرین اوّلین کے بعد تمہارا ہی مرتبہ ہے۔ اس لئے ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر......"۔

سیدنا حضرت ابو بکرؓ کے خطاب سے اکثریت مطمئن ہو گئی اور حقیقت کو جان لیا مگر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم اللہ کے انصار اور اسلام کا لشکر ہیں اور تم اے مہاجرین ہم سے قلیل تعداد میں ہو۔ لیکن اب تم ہمارا حق غصب کرنا اور ہمیں سلطنت سے محروم کرنا چاہتے ہو۔ ایسا کبھی نہ ہو سکے گا۔

سیّدنا حضرت ابو بکرؓ نے کمال حوصلہ سے یہ گفتگو سنی اور اپنے خطاب کو، ماتھے پر بل ڈالے بغیر، اپنے دھیمے پن کے لہجے میں جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! ہم مہاجرین اوّلین اشخاص ہیں جو اسلام لائے۔ حسب و نسب اور عز و شرف کے لحاظ سے بھی ہم تمام عربوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں...... ہم تم سے پہلے ایمان لائے اور قرآن میں ہمارا ذکر تم سے مقدم ہے۔ اللہ فرماتا ہے: **والسّابقون الاوّلون من المهاجرين و الانصار والّذين اتّبعوا هم باحسان** ہم مہاجرین ہیں اور تم انصار۔ تم دین میں ہمارے بھائی، غنیمت میں ہمارے شریک اور دشمنوں کے مقابلے میں ہمارے مددگار ہو۔ باقی تم نے اپنی فضیلت کا ذکر کیا ہے اس سے ہمیں انکار نہیں ہے، تم واقعی اس کے اہل ہو اور روئے زمین پر سب سے زیادہ تعریف کے مستحق۔ لیکن عرب اس بات کو کبھی نہ مانیں گے کہ سلطنت قریش کے سوا کسی اور قبیلے کے ہاتھ میں رہے اس لئے امارت ہمارے سپرد کر دو اور وزارت کو سنبھال لو"۔

اس خطاب پر صرف حباب بن منذر جموع نے اختلاف کیا جس کا جواب حضرت عمرؓ نے نہایت مدلل دیا۔ بالآخر بشیر بن سعد نے، جو قبیلہ خزرج سے تھے، گفتگو کی اور مہاجرین کی تائید کی اور انصار کو جھگڑا کرنے سے منع کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب محسوس فرمایا کہ اب ہر طرف سناٹا ہے اور دلوں پر ان کی گفتگو کا اثر قائم ہو چکا ہے تو آپؓ کھڑے ہو گئے اور انصار کو اتحاد کی تلقین کی اور

تفرقہ سے خبردار کیا اور فرمایا یہ عمرؓ اور ابو عبیدہؓ بیٹھے ہیں، ان میں سے جس کی چاہو بیعت کرلو"۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ابو بکر! ہاتھ بڑھایئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بیعت کرلی، پھر ابو عبیدہؓ نے بیعت کی۔ پھر بشیر بن سعد اور دیگر انصار نے بھی بیعت کرلی سوائے سعد بن عبادہ کے (جو خود خلافت کا متمنی تھا) سب ہی نے ایک دوسرے سے بڑھ کر بیعت کی سعادت پائی۔

ذرا غور کیجئے کہ اگر انصار سعد بن عبادہ کی باتوں میں آکر خلافت پر اصرار کرتے اور دوسری طرف قریش اپنے سوا کسی کی خلافت پر راضی نہ ہوتے تو اس فتنے کا انجام کیا ہوتا، اسامہ کا وہ لشکر جو ہتھیاروں سے لیس ہو کر دشمنوں سے جنگ کرنے کیلئے روانہ ہوا ہی چاہتا تھا، وہی ہتھیار مسلمان ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ہاتھ آگے کر کے حضرت ابو بکرؓ کو خلافت عطا فرمائی اور آپ کے ذریعہ خوف کو امن میں بدل دیا۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت ختم ہونے پر مسلمان مسجد نبوی میں آگئے۔ اس وقت شام ہو چکی تھی۔ دوسرے روز حضرت ابو بکر مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں سے خطاب کیا اور آخر پر کہا کہ "تمہارا خلیفہ اللہ نے اس شخص کو بنایا ہے جو تم میں سب سے بہتر ہے، یہ رسول اللہ کا مقرب ہے اور یہی ہے جسے غار میں آنحضرتؐ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا، اس لئے اٹھو اور اس کی بیعت کرو"۔ چنانچہ یہاں پر عام بیعت ہوئی۔ اس کے بعد سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے اپنی خلافت کا پہلا خطاب ارشاد فرمایا جو درج ذیل ہے۔ آپؓ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! میں تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں لیکن تم سے بہتر نہیں۔ اگر میں نیک کام کروں تو اس میں میری مدد کرو اور اگر برا کام کروں تو مجھے ٹوکو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔ تمہارا کمزور شخص میرے نزدیک قوی ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلوادوں اور تمہارا قوی آدمی میرے نزدیک کمزور ہے جب تک اس کے ذمے جو حق ہے وہ اس سے نہ لے لوں۔ جو قوم اللہ کے راستے میں جہاد ترک کر دیتی ہے اس پر اللہ ذلت و خواری مسلط کر دیتا ہے اور اگر کسی قوم بے حیائی پھیل جائے تو اللہ اس پر بلائیں اور عذاب عام کر دیتا ہے۔ تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں لیکن اگر مجھ سے ایسا کوئی کام سرزد ہو جس سے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کی خلافت کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں پر سکینت نازل فرمادی۔ ایک روایت کے مطابق بیعت کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور مجمع پر نگاہ ڈالی تو حضرت زبیرؓ کو نہ پایا۔ آپؓ نے انہیں بلوایا اور فرمایا: "اے رسول اللہ کے برادر عم زاد اور حواری! کیا آپ مسلمانوں کی لاٹھی (اجتماعی قوت) کو توڑنا چاہتے ہیں؟"۔ انہوں نے عرض کیا: "یا خلیفہ رسول اللہ! مجھے سرزنش نہ کیجئے، میں بیعت کرتا ہوں" اور کھڑے ہو کر بیعت کرلی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے نگاہ دوڑائی تو حضرت علیؓ کو نہ پایا۔ آپؓ نے انہیں بھی بلوایا، وہ فوراً آگئے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: "اے رسول اللہ کے برادر عم زاد اور آپؐ کے محبوب داماد! کیا آپ مسلمانوں کی لاٹھی کو توڑنا چاہتے ہیں؟"۔ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "اے خلیفہ رسول اللہ! میں آپ کی بیعت کرتا ہوں"۔ اور انہوں نے بھی بیعت کرلی۔ یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ذریعہ خلافت کو استحکام بخشا اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اول روز ہی سے خلافت کا منصب بغیر کسی شور و شر اور فتنہ فساد کے سنبھال لیا۔ نہ آپؓ کے مقابلہ میں کوئی اٹھا اور نہ کوئی بیعت کرنے کے بعد، بیعت سے کنارہ کشی اختیار کرنے والوں کے پاس گیا۔

حضرت ابو بکرؓ کا عہد خلافت اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل منفرد ہے۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد عرب میں ارتداد کی وبا پھیل گئی اس صورتحال کی موجودگی میں حضرت ابو بکرؓ نے عظیم الشان اور مضبوط پالیسی مرتب فرمائی۔ جب اہل مکہ کو علم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اللہ تعالیٰ نے منصب خلافت پر ممتکن فرمادیا ہے تو اُن کے ایمانوں کو تقویت عطا ہوئی۔

علاوہ ازیں طائف کے قبیلہ ثقیف نے بھی ارتداد کی راہ اختیار کرنی چاہی تو وہاں کے عامل حضرت عثمان بن ابو العاصؓ نے اہل قبیلہ کو اکٹھا کر کے کہا: "اے ابناء ثقیف! تم لوگ سب سے پیچھے اسلام لائے تھے، اب سب سے پہلے ارتداد اختیار کرنے والے مت بنو"۔ چنانچہ وہ بھی ارتداد سے محفوظ رہے۔ پھر ایک گروہ ادائے زکوۃ کو جزیہ سمجھنے لگا تھا، اُن میں مدینہ کے قریبی قبائل عبس، ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور فزارہ شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے خلافت ابو بکرؓ انہیں بھی راہ راست پر لے آئی۔

علاوہ ازیں پانچ چھ ایسے افراد بھی تھے جنہوں نے نہ صرف ارتداد اختیار کیا بلکہ نبوت کا دعویٰ کر کے بغاوت شروع کر دی اور سخت فتنہ برپا کیا اور مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت ابو بکرؓ کی بابرکت خلافت سے اس فتنہ کا بھی باحسن قلع قمع ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں حضرت اسامہؓ کی سپہ سالاری میں ایک لشکر کے شام کی طرف روانگی کا ارشاد فرمایا تھا اور وفات کے روز صبح کے وقت اُسے ہدایات سے بھی نوازا تھا۔ آپؐ کی وفات پر جب ہر طرف سے ارتداد کے خطرہ کی گھنٹی بجنے لگی تو بعض صحابہؓ نے خلوص نیت سے مشورہ پیش کیا کہ فی الحال اس لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے مگر خدا تعالیٰ کے مقرر فرمودہ خلیفہ نے خداداد اولوالعزمی سے فرمایا "مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھے یہ یقین ہو کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا کر لے جائیں گے تو بھی میں اسامہؓ کے اس لشکر کو نہیں روک سکتا جسے رسول اللہ نے روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ اگر مدینہ میں میرے سوا کوئی بھی متنفس نہ رہے تو بھی میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا"۔

سیدنا حضرت ابو بکرؓ خود (مدینہ کے قریب واقع) مقام جرف تشریف لے گئے جہاں آنحضور ﷺ کی وفات کا سن کر لشکر رُک گیا تھا، اور لشکر کو دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔ یہاں لوگوں نے یہ حیرت انگیز نظارہ بھی دیکھا کہ حضرت اسامہؓ سوار ہیں اور خلیفہ رسولؐ ان کے ساتھ ساتھ الوداع

کرنے کے لئے پیدل چل رہے ہیں۔ اس موقع پر حضرت اسامہؓ کو شرم محسوس ہوئی کہ وہ تو گھوڑے پر سوار ہیں اور مسلمانوں کی معزز ترین ہستی بڑھاپے کے باوجود پیدل چل رہی ہے، تو انہوں نے عرض کیا: "اے! خلیفہ رسول اللہ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیے ورنہ میں اتر پڑتا ہوں"۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: "واللہ! نہ تم اترو گے، نہ میں سوار ہوں گا، کیا ہوا اگر میں نے ایک گھڑی اپنے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود کر لئے"۔ پھر فرمایا کہ "اگر تم چاہو تو میری مدد کے لئے عمرؓ کو چھوڑتے جاؤ"۔ حضرت اسامہؓ کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا مگر اس طرح حضرت ابو بکرؓ نے پورے لشکر کو اسامہؓ کی عزت و اطاعت کا درس دیدیا۔

سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے مختلف شعبہ جات قائم فرمائے۔ حضرت عمرؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر فرمایا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو بیت المال کا کام سپرد ہوا۔ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کتابت تھی اور وہ فرامین اور مراسلے لکھا کرتے تھے۔ آپؓ کے مقرر فرمودہ عمال اور قائدین بھی اطراف عالم میں اپنی اپنی ذمہ داریوں میں مشغول تھے۔ ان کا حضرت ابو بکرؓ سے گہرا رابطہ تھا اور کوئی شخص آپؓ سے مشورہ کئے بغیر قدم نہ اٹھا سکتا تھا۔ اسی وجہ سے آپؓ کے اور آپؓ کے عمال و قائدین کے درمیان کثرت سے خط و کتابت ہوئی جو تاریخوں میں محفوظ ہوئی۔

حضرت ابو بکرؓ چھ ماہ تک مدینہ کے نواح سنح کے مقام پر اپنے گھر سے روزانہ پیدل مدینہ تشریف لاتے اور امور خلافت سر انجام فرماتے۔ بعد ازاں ذمہ داری کی نوعیت کی وجہ سے آپؓ نے مدینہ میں قیام کا فیصلہ فرما لیا۔

جنگ یمامہ میں حفاظ صحابہ کی بکثرت شہادت پر حضرت عمرؓ کی تجویز پر سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جمع قرآن کا فریضہ یہ کہتے ہوئے سپرد فرمایا: "تم جوان اور عقلمند انسان ہو۔ ہم تمہاری صداقت اور راست گفتاری میں کسی قسم کا شک نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ کے زمانہ میں وحی لکھنے کا شرف بھی تمہیں حاصل ہوا ہے، اس لئے تم قرآن کریم کو تلاش کر کے اس کو ایک جگہ جمع کر دو"۔ حضرت علیؓ کا یہ قول تاریخ میں محفوظ ہے کہ "اللہ ابو بکر پر رحمت نازل فرمائے، قرآن کریم جمع کرنے کے کام میں وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ اجر کے مستحق ہیں کیونکہ انہی نے سب سے پہلے اسے جمع کیا"۔

سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کی امانت کا حق اس طرح ادا کیا کہ لوگ حیران ہیں۔ خلافت کی ذمہ داریاں تفویض ہوتے ہی آپؓ خود کو اور اپنے اہل و عیال کو بالکل بھول گئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت، اصلاح معاشرہ، مسلمانوں کی تربیت اور اشاعت اسلام کے لئے ہمہ تن اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ عدل و انصاف کا قیام ان کا اوّلین مقصد تھا اور کمزوروں اور حاجتمندوں کی مدد و اعانت سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ ان کے نزدیک اور کوئی نہ تھا۔

سیدنا حضرت ابو بکرؓ نے جب محسوس کیا کہ ان کی رحلت کا وقت قریب آ چکا ہے تو آپؓ کو فکر دامنگیر ہوئی کہ خلافت کے مسئلہ پر کہیں مسلمانوں میں پھر اختلاف پیدا نہ ہو جائے اور کہیں نیا فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ آپؓ نے تمام حالات کا بغور جائزہ لیا اور اہل الرائے اصحاب سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کو جانشین مقرر فرمایا اور حضرت عثمان بن عفانؓ کو وصیت نامہ لکھوایا جس میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرنے کی وجوہات بیان فرمائیں۔

بعد ازاں آپؓ نے مسلمانوں سے خود مخاطب ہونے کا فیصلہ فرمایا اور مسجد کی طرف کا دروازہ کھلوایا اور اس میں کھڑے ہو گئے۔ آپؓ کی زوجہ محترمہ اسماءؓ بنت عمیس دونوں ہاتھوں سے آپؓ کو تھامے ہوئے تھیں۔ آپؓ نے مسجد میں موجود افراد کو مخاطب کر کے فرمایا: "میں تم پر جس شخص کو خلیفہ مقرر کروں کیا تم اس پر راضی ہو کیونکہ واللہ! میں نے تمہاری بھلائی کے لئے کوئی دقیقہ سعی فروگزاشت نہیں کیا اور نہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو ہی خلیفہ بنایا ہے۔ میں نے اپنے بعد عمر بن خطابؓ کو خلیفہ نامزد کیا ہے۔ تم اس کے احکام کی اطاعت کرو"۔ اس پر سب نے کہا کہ ہم آپؓ کے انتخاب پر راضی ہیں اور آپ سے عہد کرتے ہیں کہ ہر حال میں عمرؓ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔

سیدنا حضرت ابو بکرؓ کے ذریعے اللہ تعالیٰ جو کام کروانا چاہتا تھا جب وہ پورا ہو چکا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلوا لیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جانشین مقرر فرمانے کا فیصلہ، استحکام خلافت کے ضمن میں آپؓ کا وہ آخری کارنامہ تھا جس کی بدولت اسلام عروج کی کئی منزلوں تک پہنچ گیا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں اسلام کو جو ترقی اور فتوحات نصیب ہوئیں اس کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا انتخاب خدائی انتخاب تھا جو اُسی کی دی ہوئی توفیق سے ابو بکرؓ نے کیا۔ اس انتخاب میں زبان حضرت ابو بکرؓ کی تھی لیکن مشیت خدا تعالیٰ کی کام کر رہی تھی۔ اور لاریب حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ، دونوں ہی وہ مقدس وجود تھے جنہوں نے اپنے آپ کو دنیاوی آلائشوں سے کلیتاً پاک کر کے خالصتاً للہ وقف کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اس دنیا کی طرح جنت میں بھی اپنے محبوب آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قرب میں مقام عطا فرمائے۔

(اس مضمون کی تیاری میں مصر کے سابق وزیر معارف محمد حسین ہیکل کی کتاب "سیرت حضرت ابو بکرؓ، صدیق اکبر" کے اردو ترجمہ از محترم شیخ محمد احمد پانی پتی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجرِ عظیم سے نوازے)

Ambassador for PEACE

انٹر ریلیجیس اینڈ انٹر نیشنل فیڈریشن فار ورلڈ پیس کے لندن مرکز میں منعقد ہونے والی ایک تقریب میں مکرم لئیق احمد طاہر صاحب ریجنل مشنری کو Ambassador for Peace کا خطاب دیا گیا۔ فیڈریشن کے سرکردہ لیڈر Mr. Robin Marsh نے Certificate of Recognition دیتے ہوئے بتایا کہ مکرم لئیق صاحب کا تعلق انتہائی پُر امن عالمگیر جماعت احمدیہ سے ہے اور ان کی طرف سے قیام امن کے لئے برطانیہ میں کی جانے والی مساعی کو ہم قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ برطانیہ میں تمام مذاہب کو قریب لانے کے لئے انہوں نے بین المذاہب جلسوں کے ذریعہ سالہا سال تک بھرپور مساعی کی ہے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس سے قبل 2002ء میں مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب سیکرٹری امور خارجہ جماعت احمدیہ برطانیہ کو بھی یہ خطاب دیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ اعزازات ہر پہلو سے بابرکت فرمائے۔

نظام وصیت اور خلافت احمدیت

(مرزا نصیر احمد)

رسالہ "الوصیت" میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں اللہ تعالیٰ کی وحی خفی کے تحت وصیت کا نظام قائم فرمایا وہاں ساتھ ہی آپ نے اپنی وفات کی خبر دیتے ہوئے اپنے بعد ایک دائمی نظام، نظامِ خلافت کی بھی خبر دی لیکن جہاں وصیت کا نظام آپ نے خود اپنی زندگی ہی میں جاری فرمادیا اور ایسے اموال کی دیکھ بھال کے لئے ایک انجمن قائم فرمادی وہاں خلافت کا معاملہ کلیۃً اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمادیا اور فرمایا کہ "میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کے مظہر ہوں گے"۔

حقیقت میں یہ وجود آپ کی زندگی میں بھی موجود تھے۔ مگر آپ نے معین طور پر ان کی نشاندہی نہ کی البتہ دوسری قسم کے وجودوں کی نشاندہی آپ نے ضرور کی اور وہ ایسے وجود تھے جن کو الوصیت کے ذریعہ جاری شدہ مالی نظام کی دیکھ بھال سپرد کی اور ان کا تعین آپ نے خود ہی فرمادیا۔ اور انہی کی اجتماعی حیثیت کو انجمن کا نام دیا گیا اور آپ نے فرمایا کہ "میں یہ نہیں چاہتا کہ تم سے کوئی مال لوں اور اپنے قبضہ میں کرلوں بلکہ تم اشاعتِ دین کے لئے ایک انجمن کے حوالے اپنا مال کروگے اور بہشتی زندگی پاؤ گے"۔

آپ کی خواہش تھی کہ انجمن کے تمام ممبر پارسا طبع دیانت دار ہوں نیز یہ انجمن دنیاداری کے رنگوں سے بکلی پاک رہے اور اس کے تمام معاملات نہایت صاف اور انصاف پر مبنی ہوں۔ اس انجمن کے ممبرز کی نہ صرف آپ نے نشاندہی کی بلکہ آپ نے ان کا باقاعدہ طور پر تقرر بھی فرمادیا۔ تاہم دوسرے وجود جن کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ آپ کی وفات کے بعد ظاہر ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے ان کا معاملہ آپ نے گو خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیا تھا بایں ہمہ آپ نے ان کے متعلق اس بات پر حصر فرمادیا تھا کہ ان کا باقاعدہ انتخاب ہوگا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "چاہیے کہ جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں"

نیز فرمایا کہ "ایسے لوگوں (یعنی پاک نفس بزرگوں۔ ناقل) کا انتخاب مومنوں کے اتفاق رائے پر ہوگا۔ پس جس شخص کی نسبت چالیس مومن اتفاق کریں گے کہ وہ اس بات کے لائق ہے کہ میرے نام پر لوگوں سے بیعت لے وہ بیعت لینے کا مجاز ہوگا"۔

گویا آیت استخلاف کی روشنی میں آپؑ نے اپنی جماعت میں اپنے بعد نظام خلافت کے قیام کی پیشگوئی فرمائی اور فرمایا کہ "جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا...... خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے تھام لیا"۔ وہاں دوسری طرف آپ نے اپنی زندگی میں ہی انتخاب خلافت کے اصول بھی قائم فرمادیئے۔

اس میں ۴۰ کا عدد قابلِ غور ہے آپ کی خواہش تھی کہ ایسے پاک نفس افراد جو خلیفہ کا انتخاب کریں وہ کم از کم ۴۰ ضرور ہوں۔ اس سلسلہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت بہت معنی خیز اور بہت ہی اہم ہے کیونکہ آپ اس بات کے عینی شاہد اور اوّل راوی ہیں آپ فرماتے ہیں:

"ایک دن حضرت صاحب اندر آئے تو والدہ صاحبہ سے کہا کہ انہیں (یعنی مجھے) انجمن کا ممبر بنادیا ہے۔ نیز ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب کو اور مولوی صاحب کو تاکہ اور لوگ کوئی نقصان نہ پہنچائیں...... آپ کو کہا گیا 14 نام لکھ لئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا: اور چاہئیں، باہر کے آدمی بھی ہوں...... اس پر کہا گیا کہ زیادہ آدمیوں سے کورم پورا نہیں ہوگا آپ نے فرمایا اچھا تھوڑے سہی۔ پھر کہا اچھا ایک اور تجویز کرتا ہوں اور وہ یہ کہ مولوی صاحب کی رائے چالیس آدمیوں کی رائے کے برابر ہو۔ اس وقت میرے سامنے ان لوگوں نے حضرت صاحب کو دھوکہ دیا کہ حضرت ہم نے مولوی صاحب کو پریذیڈنٹ بنادیا ہے اور پریذیڈنٹ کی رائے پہلے ہی زیادہ ہوتی ہیں۔ حضرت صاحب نے کہا ہاں یہی میرا منشا ہے کہ ان کی رائے زیادہ ہوں۔ مجھے اس وقت انجمنوں کا علم نہ تھا کہ کیا ہوتی ہیں ورنہ بول پڑتا کہ پریذیڈنٹ کی ایک ہی زائد رائے ہوتی ہے"۔

(سیرۃ محمودؓ از حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ۔ صفحہ ۱۸۹)

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ ارشاد اور حضرت مصلح موعودؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے نام پر بیعت لینے کا مجاز ہو وہ جماعت کے سرکردہ، پاک اور پارسا طبع دیانتدار لوگوں پر مشتمل ایک گروہ کے ذریعہ منتخب ہوا اور انتخاب کا عمل اتفاق رائے یا کثرت رائے سے انجام پائے۔ حضرت حکیم مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ ان کی رائے 40 آدمیوں کے برابر ہو یہ بتلا رہا ہے کہ اس میں آپ کی طرف سے ایک بہت ہی واضح اشارہ تھا کہ پوری جماعت میں آپ کے نزدیک ان کا تقویٰ اور ان کا علم و فضل اس درجہ تک پہنچا ہوا تھا کہ آپکے بعد وہی اس منصب کے اہل ہوں گے۔ اور اس امر کو اکثر اصحاب بالخصوص سیدنا حضرت مصلح موعودؓ خوب سمجھتے تھے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نعش مبارک جب بہشتی مقبرہ میں تدفین کے لئے لائی گئی اور اس وقت جب مشورہ کی غرض سے آپ سے رجوع کیا گیا تو آپ نے بھی یہی فرمایا کہ "خلیفہ ضرور ہونا چاہئے اور حضرت مولانا ہی خلیفہ ہونے چاہئیں ورنہ اختلاف کا اندیشہ ہے"۔ (سیرۃ محمودؓ از حضرت مرزا طاہر احمدؒ۔ صفحہ ۱۸۱)

گویا اختلاف سے بچنے کے لئے اور جماعت میں اتحاد قائم رکھنے کے لئے جماعت کا ایک نفس پاک کے ہاتھ پر یا دوسرے الفاظ میں ایک دستِ واحد پر جمع ہونا ضروری تھا اور یہ دراصل بنیاد تھی اس عظیم الشان عمارت کی جو ایک نظام نو کی شکل میں آئندہ تمام نسل انسانیت کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی۔ چنانچہ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ "چاہئے کہ

جماعت کے بزرگ جو نفس پاک رکھتے ہیں میرے نام پر میرے بعد لوگوں سے بیعت لیں۔"

وہیں اس کے ساتھ اگلا فقرہ آپ یوں بیان فرماتے ہیں کہ

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ کیا ایشیا ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دین واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے دنیا میں بھیجا گیا سو تم اس مقصد کی پیروی کرو"۔ "سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے"۔

لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس مقصد کے لئے بھیجے گئے تھے یعنی تمام نسل انسانیت کی نیک فطرت روحوں کو ایک ہاتھ پر جمع کرنے کے مقصد کے لئے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جس میں آپ کے بعد ہمیشہ جماعت کے پاک نفس بزرگ آپ کے نام پر جماعت کے افراد کی بیعت لیتے رہیں جو نگران رہیں ہمیشہ جماعت کے تقویٰ اور ان کی دیانت وامانت کے اور اس بات کی طرف ہمیشہ توجہ رکھیں کہ اس جماعت کے نظام کو چلانے والے لوگ ہمیشہ امین افراد ہوں جو اموال کی کثرت کو دیکھ کر ٹھوکر نہ کھائیں اور دنیا سے پیار کرنے والے نہ ہوں بلکہ وہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی اس دعا کے وارث ہوں کہ "ایسے امین ہمیشہ اس سلسلہ کو ہاتھ آتے رہیں جو خدا کے لئے کام کریں"۔

گویا ایک تو آئندہ زمانوں میں جماعت کے اموال اور جماعت کے اقتدار کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی امکانی ہوس کی پیش بندی کے لئے مخلصاً لِلّٰہ امینوں کے لئے حضور علیہ السلام نے دعا بھی کر دی نیز یہی ضمانت بھی دیدی کہ خلیفہ کی ذات میں ایسے امینوں پر ایک نگران اعلیٰ ہمیشہ اس جماعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میسر رہے گا جو قدرتِ ثانیہ کا مظہر ہوگا جو جماعت کو ہمیشہ توحید کی طرف کھینچ کر رکھے گا اور خود بھی توحید پر قائم ہوگا۔ اور اس طرح اس کے ذریعہ سے وہ وحدت پیدا ہوگی جس کے لئے آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث کیا گیا تھا۔

پس الوصیت میں آئندہ دنیا کو ایک زبردست نظام دیا گیا تھا ایک ایسا نظام جس میں ظاہری اور باطنی، مادی اور روحانی ہر دو لحاظ سے ایک عظیم الشان نوید اور خوشخبری تھی نسلِ انسانیت کی جنتِ گم گشتہ واپس لائے جانے کی۔

الوصیت کی روشنی میں نظامِ خلافت کو سمجھنے کے لئے دراصل حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا بیان فرمودہ خلاصہ بہت کار آمد ہے۔ اگر اس کو اچھی طرح پڑھ لیا جائے تو نظامِ خلافت کے بارہ میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ فرمایا:

"حضرت صاحب کی تصنیف میں معرفت کا ایک نکتہ ہے وہ میں تمہیں کھول کر سناتا ہوں۔ جس کو خلیفہ بنانا تھا اس کا معاملہ تو خدا کے سپرد کر دیا اور ادھر چودہ اشخاص کو فرمایا کہ تم بحیثیت مجموعی خلیفۃ المسیح ہو۔ تمہارا فیصلہ قطعی فیصلہ ہے اور گورنمنٹ کے نزدیک بھی وہی قطعی ہے پھر ان چودہ کو باندھ کر ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کرا دی کہ اسے اپنا خلیفہ مانو اور اس طرح تمہیں اکٹھا کر دیا پھر نہ صرف چودہ کا بلکہ تمام قوم کا میری خلافت پر اجماع ہو گیا۔ اب جو اجماع کا خلاف کرنے والا ہے وہ خدا کا مخالف ہے چنانچہ فرمایا: ویتّبع غیر سبیل المومنین نولّہٖ ماتولّٰی وَ نصلہٖ جہنّمَ وساءَ ت مصیراً (النساء116) میں نے الوصیت کو خوب پڑھا ہے۔ واقعی چودہ آدمیوں کو خلیفۃ المسیح قرار دیا ہے اور ان کی کثرت رائے کے فیصلہ کو قطعی فرمایا۔ اب دیکھو کہ انہی متقیوں نے جن کو حضرت صاحب نے اپنی خلافت کے لئے منتخب فرمایا اپنی تقویٰ کی رائے سے، اپنی اجماعی رائے سے ایک شخص کو اپنا خلیفہ و امیر مقرر کیا اور پھر نہ صرف خود بلکہ ہزار ہا ہزار لوگوں کو اسی کشتی پر چڑھایا جس پر خود سوار ہوئے تو کیا خدا تعالیٰ ساری قوم کا بیڑہ غرق کر دے گا؟ ہرگز نہیں۔

پس تم کان کھول کر سنو اگر اب اس معاہدہ کے خلاف کرو گے تو فَاَعْقَبَہُمْ نِفَاقًا فِی قُلُوبِھِمْ (التوبۃ:۷۷) کے مصداق بنو گے، مَیں نے تمہیں یہ کیوں سنایا؟ اس لئے کہ تم میں بعض نافہم ہیں جو بار بار کمزوریاں دکھاتے ہیں۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ وہ مجھ سے بڑھ کر جانتے ہیں۔

خدا نے جس کام پر مجھے مقرر کیا ہے مَیں بڑے زور سے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب مَیں اس کرتے کو ہرگز نہیں اتار سکتا۔ اگر سارا جہان بھی اور تم بھی میرے مخالف ہو جاؤ تو مَیں تمہاری بالکل پرواہ نہیں کرتا اور نہ کروں گا۔ خدا کے مامور کا وعدہ ہے اور اس کا مشاہدہ ہے کہ وہ اس جماعت کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے عجائبات قدرت بہت عجیب ہیں اور اس کی نظر بہت وسیع ہے۔ تم معاہدہ کا حق پورا کرو، پھر دیکھو کس قدر ترقی کرتے ہو اور کیسے کامیاب ہوتے ہو۔" (خطبات نور، صفحہ ۴۱۹، خطبہ عید الفطر ۱۵ر اکتوبر ۱۹۰۹ء)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری نسلوں کو بھی ہمیشہ خلافت کے مضمون کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے منشاء کے مطابق سمجھنے اور اس کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کا خلافت اور خلیفۂ وقت سے ہمیشہ وفا اور اخلاص اور انکسار کا تعلق قائم رہے۔ آمین۔ ثم آمین۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا ارشاد

"آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ خلافت احمدیہ کو کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ جماعت بلوغت کے مقام پر پہنچ چکی ہے، خدا کی نظر میں۔ اور کوئی دشمن آنکھ، کوئی دشمن دل، کوئی دشمن کوشش اس جماعت کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گی اور خلافت احمدیہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی شان کے ساتھ نشوونما پاتی رہے گی جس شان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدے فرمائے ہیں کہ کم از کم ایک ہزار سال تک یہ جماعت زندہ رہے گی۔" (خطبہ جمعہ ۱۸ر جون ۱۹۸۲ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ اور استحکامِ خلافت

(ڈاکٹر شمیم احمد)

آنحضرت ﷺ کا وصال آپؐ کے عاشق اور جانثار صحابہؓ کے لئے ایک بے وقت المیہ عظیم تھا جس کے لئے وہ کسی بھی رنگ میں تیار نہ تھے۔ اپنے محبوب آقا و مطاع سے جدائی کا تصور بھی اُن کے ذہنوں میں نہ آیا تھا۔ ایسے میں آپؐ کی وفات کی وجہ سے صحابہؓ شدتِ غم سے دیوانہ ہو گئے۔ اُس غم اور عظیم خطرہ کے وقت خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنے رسول مقبول کی نیابت میں کھڑا کر کے آپؐ کی اُس پیشگوئی کو پورا فرمادیا کہ آپؐ کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔ وہ وقت اسلام کے لئے بے حد نازک وقت تھا۔ ایک طرف یہ سوال تھا کہ امارت یا خلافت کس کی ہو گی اور دوسری طرف سوائے مکہ، مدینہ اور طائف کے سارے عرب میں بغاوت رونما ہو گئی تھی۔ مسلیمہ کذاب نے علمِ بغاوت بلند کر دیا تھا اور اکثر قبائل نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات سے چند روز قبل ایک لشکر رومی حکومت کے مقابلہ کے لئے تیار فرمایا تھا اور حضرت اسامہ بن زید کو اس کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ بعض صحابہ نے مل کر مشورہ دیا کہ ابھی اس لشکر کو روانہ نہ کیا جائے کیونکہ اگر لشکر روانہ ہو گیا تو پھر مدینہ میں بچے اور بوڑھے ہی رہ جائیں گے اور مسلمان عورتوں کی حفاظت نہ ہو سکے گی۔ پہلے باغیوں کا مقابلہ کیا جائے اس کے بعد لشکر کو روانہ کیا جائے۔ غرض اس وقت اسلام کو ایسے اندرونی اور بیرونی خطرات درپیش تھے کہ اسلام کے وجود کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کمال جوانمردی سے اُن تمام مصائب کا مقابلہ کیا اور اسلام کو نابود ہونے سے بچالیا۔ وہ وقت ایسا تھا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میرے باپ پر جو پہاڑ گرا وہ اگر کسی اور پر گرتا تو وہ چُور ہو جاتا۔

اِس زمانہ کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق کہ آخری دور میں پھر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو گی اپنی جماعت کو بشارت دی تھی کہ آپؑ کی رحلت کے بعد بھی سلسلہ خلافت قائم ہو گا۔ آپؑ نے فرمایا: "چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو کہ تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اَولیٰ ہیں، ظلّی طور پر ہمیشہ کے لئے تا قیامت قائم رکھے۔ سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا کہ دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکاتِ رسالت سے محروم نہ رہے۔" (شہادۃ القرآن)

نیز رسالہ الوصیّت میں آپ فرماتے ہیں: "خدا تعالیٰ کی سُنّت ہے اور جب سے اس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اس سُنّت کو ظاہر کرتا رہا کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِی اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا منشاء ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اس طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ ان کی سچائی کو ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل اُن کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں اُن کو وفات دے کر جو بہ ظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے، مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقعہ دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔

غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔ اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہوتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت ﷺ کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے ہوئے تھام لیا۔"

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رحلت بھی اپنے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی طرح بے وقت تھی اور صحابہؓ آپؑ سے جدائی کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ وہ قیامت کا ایک لمحہ تھا جو ان پر گزر گیا۔ آپؑ کے جانثار خادم اور رفیق حضرت مولانا نورالدینؓ کے لئے آپؑ کی زندگی کے آخری لمحات بے حد صبر آزما تھے۔ ایک طرف آپؑ سے جدائی کا غم تھا اور دوسری طرف جماعت کا درد کہ ان کا کیا بنے گا اور پھر آنے والے خطرات و مشکلات جن کے تصور سے بھی روح کانپ جاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی اطلاع پر آپؓ تشریف لائے، پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور باہر تشریف لے گئے۔ اس وقت صحابہ مارے غم کے نڈھال ہو رہے تھے اور بشری تقاضوں کی وجہ سے پریشان تھے کہ اس آسمانی وجود سے جدائی کے بعد ان کا کیا حال ہو گا۔ ایسے وقت میں سب کی نگاہیں تصرفِ الٰہی سے حضرت مولانا نورالدینؓ کی طرف اٹھ رہی تھیں جو اپنے محبوب آقا کی جدائی کا غم اپنے سینہ میں چھپائے بڑے صبر و تحمل کے ساتھ ایک کوہِ وقار کی طرح احبابِ جماعت کی تسلی و تسکین کا باعث ہو رہے تھے۔ حضرت مولوی عبدالرحیم نیّر صاحب کا بیان ہے کہ "حضرت مسیح موعودؑ کے وصال کے وقت لوگوں کے ہوش و حواس پر اثر تھا اور جماعت احمدیہ کو بے انتہا صدمہ تھا لیکن جو شخص اس وقت صبر و وقار سے کام لے کر جماعت کی

تسکین کا باعث تھا وہ حضرت مولانا حافظ نور الدینؓ تھے "۔(الحکم 7جون 1929ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد سب سے اہم کام آپؑ کی جانشینی کا مسئلہ تھا۔اس وقت جماعتِ احمدیہ نے وہی طریق اختیار کیا جو سیدِ ولد آدم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مومنین کی جماعت نے اختیار کیا یعنی اپنے درمیان سے تقویٰ کے بلند ترین مقام پر فائز شخص کا انتخاب کر کے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مشیت کے تحت تمام جماعت کی نگاہیں حضرت مولانا حافظ نور الدین رضی اللہ عنہٗ کی طرف اٹھ رہیں تھیں چنانچہ آپؓ کی خدمت میں بیعتِ خلافت کی عرضداشت پیش کی گئی۔آپؓ نے دعا کے بعد اس منصب کے بارِ گراں کو اپنے مولیٰ کی رضا کی خاطر اٹھانا قبول فرما لیا۔آپؓ نے اپنے پہلے خطاب میں جماعت کو خلافت کی ضرورت،اہمیت اور اس کی برکات کی توجہ دلاتے ہوئے جو تقریر فرمائی وہ قیام و استحکام خلافت کے موضوع پر تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔آپؓ نے فرمایا:"میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جو ابدی اور ازلی ہمارا خدا ہے۔ہر ایک نبی جو دنیا میں آتا ہے اس کا ایک کام ہوتا ہے جو کرتا ہے۔جب ہو چکتا ہے خدا تعالیٰ اس کو بلا لیتا ہے۔حضرت موسیٰ کی نسبت یہ بات مشہور ہے کہ وہ ابھی بلادِ شام میں نہیں پہنچے تھے کہ رستہ میں فوت ہو گئے۔حضرت نبی کریم ﷺ نے قیصر و کسریٰ کی کنجیوں کا ذکر فرمایا کہ مجھے دی گئیں مگر آپؐ نے وہ کنجیاں (چابیاں) نہ دیکھیں کہ چل دیئے۔ایسی باتوں میں اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار ہوتے ہیں۔یہاں بھی بہت سے لوگ تعجب کریں گے کئی پیشگوئیاں کی تھیں وہ ابھی پوری نہیں ہوئیں۔میرے خیال میں یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ بتدریج کام کرتا ہے اور پھر جسے مخاطب کرتا ہے کبھی اس سے مراد اس کا مثیل ہوتا ہے......

میری پچھلی زندگی میں غور کر لو۔میں کبھی امام بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔مولوی عبد الکریم مرحوم امام الصلوٰۃ بنے تو میں نے بھاری ذمہ داری سے اپنے تئیں سبکدوش خیال کیا تھا۔میں اپنی حالت سے خوب واقف ہوں اور میرا ربّ مجھ سے بھی زیادہ واقف ہے۔میں دنیا میں ظاہر داری کا خواہشمند نہیں۔میں ہر گز ایسی باتوں کا خواہشمند نہیں۔اگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔اس خواہش کے لئے میں دعائیں کرتا ہوں۔قادیان بھی اس لئے رہا اور رہتا ہوں اور رہوں گا۔میں نے اس فکر میں کئی دن گذارے کہ ہماری حالت حضرت صاحب کے بعد کیا ہو گی۔اس لئے میں کوشش کرتا رہا کہ میاں محمود کی تعلیم اس درجہ تک پہنچ جائے۔حضرت صاحب کے اقارب میں اس وقت تین آدمی موجود ہیں(یعنی صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ، میر ناصر نواب صاحبؓ،نواب محمد علی خان صاحبؓ)......اس وقت مردوں، بچوں،عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وحدت کے نیچے ہوں اور اس وحدت کے لئے ان بزرگوں میں سے کسی کی بیعت کر لو۔میں تمہارے ساتھ ہوں۔میں خود ضعیف ہوں،بیمار رہتا ہوں،پھر طبیعت مناسب نہیں۔اتنا بڑا کام آسان نہیں.....پس میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جن عمائد کا نام لیا ہے اُن میں سے کوئی منتخب کر لو۔میں تمہارے ساتھ بیعت کرنے کو تیار ہوں۔اگر تم میری بیعت ہی کرنا چاہتے ہو تو سن لو بیعت بِک جانے کا نام ہے۔ایک دفعہ حضرت نے مجھے اشارۃً فرمایا کہ وطن کا خیال بھی نہ کرنا سو اس کے بعد میری ساری عزت اور میرا سارا خیال ان ہی سے وابستہ ہو گیا اور میں نے کبھی وطن کا خیال تک نہیں کیا۔پس بیعت کرنا ایک مشکل امر ہے۔ایک شخص دوسرے کیلئے اپنی تمام حریت اور بلند پروازیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔اس لئے اللہ نے اپنے بندے کا نام عبد رکھا ہے۔اس عبودیت کا بوجھ اپنی ذات کے لئے مشکل سے اٹھایا جاتا ہے۔کوئی دوسرے کیلئے کیا اور کیوں کر اٹھائے۔طبائع کے اختلاف پر نظر کر کے یک رنگ ہونے کیلئے بڑی ہمت کی ضرورت ہے.....۔

آخر میں آپؓ نے ارشاد فرمایا:"اب تمہاری طبیعتوں کے رُخ خواہ کسی طرف ہوں تمہیں میرے احکام کی تعمیل کرنی ہو گی۔اگر یہ باتیں تمہیں منظور ہیں تو میں طوعاً و کرہاً اس بوجھ کو اٹھاتا ہوں۔وہ بیعت کے دس شرائط بدستور قائم ہیں۔ان میں خصوصیت سے میں قرآن کو سیکھنے اور زکوٰۃ کا انتظام کرنے، واعظین کے بہم پہنچانے اور ان امور کو جو وقتاً فوقتاً اللہ میرے دل میں ڈالے شامل کرتا ہوں۔پھر تعلیم دینیات،دینی مدرسہ کی تعلیم میری مرضی اور منشاء کے مطابق کرنا ہو گی۔اور میں اس بوجھ کو صرف اللہ کے لئے اٹھاتا ہوں جس نے فرمایا ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر۔یاد رکھو کہ ساری خوبیاں وحدت میں ہیں جس کا کوئی رئیس نہیں وہ مر چکی ہے۔(الحکم 6جون 1908ء)

مسندِ خلافت پر رونق افروز ہونے کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی عمر مبارک سڑسٹھ سال کے قریب ہو چکی تھی۔اپنے محبوب آقا کی جدائی کا غم باوجود صبر و ضبط کے ظاہر ہو جاتا تھا۔فرمایا کرتے تھے کہ جب سے حضرت صاحب فوت ہوئے ہیں مجھے اپنا جسم خالی معلوم ہوتا ہے اور دنیا خالی خالی نظر آتی ہے۔میں لوگوں میں چلتا پھرتا ہوں اور کام کرتا ہوں مگر پھر بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز باقی نہیں رہی۔اس غم کے ساتھ ساتھ بیماریوں کے حملوں نے بھی اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا اور جسمانی کمزوری بھی غالب رہتی تھی۔یہ تو آپؓ کے ذاتی غم اور تکالیف تھیں مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے ساتھ ہی دشمنانِ احمدیت میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور وہ اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ جماعت پر حملہ آور ہو گئے اور جماعت کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے میدان میں کود پڑے۔مخالفین نے مختلف قسم کی افواہیں اڑانی شروع کر دیں کہ کثرت سے احمدی تائب ہو رہے ہیں اور احمدیوں کو قادیان سے نکالنا شروع کر دیا گیا ہے۔بعض اخبارات نے شرافت سے بعید خط شائع کرنے شروع کر دیئے تاکہ احمدیوں میں غلط فہمیاں پھیلائی جائیں۔جلسوں میں معاندین علماء نے احمدیت کے خلاف زہر افشانی شروع کر دی۔پیر جماعت علی شاہ،مولوی ثناء اللہ،عبد الحکیم پٹیالوی اور مولوی محمد حسین بٹالوی نے از سرِ نو شدت کے ساتھ حملوں کا آغاز کر دیا اور بر ملا کہنا شروع کر دیا کہ آئندہ کوئی مسلم یا غیر مسلم مورخ تاریخ میں احمدیت کا نام بھی نہیں جانے گا۔کرزن گزٹ (دہلی) نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کا ذکر کر کے لکھا کہ اب مرزائیوں میں کیا رہ گیا ہے ان کا سر کٹ چکا ہے ایک شخص جوان کا امام بنا ہے اس سے تو کچھ نہیں ہو گا۔حتیٰ کہ خواجہ حسن نظامی جیسے شخص نے بھی احمدیوں کو مشورہ دیا کہ"وہ مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت

و مہدویت سے صاف انکار کر دیں ورنہ اندیشہ ہے کہ مرزا صاحب جیسے سمجھدار اور منظم شخص کی عدم موجودگی کے سبب احمدی جماعت مخالفین کی شورش کو برداشت نہ کر سکے گی اور اس کا شیرازہ بکھر جائے گا"۔ غرضیکہ حضرت مسیح موعودؑ کے وصال کے ساتھ دشمن چاروں طرف سے حملہ آور ہو گئے اور یوں محسوس ہونے لگا کہ جماعت ہر طرف سے دشمنوں میں گھر چکی ہے۔

اُس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے دعاؤں پر زور دیا اور ایک پمفلٹ "وفات المسیح" کے عنوان سے لکھ کر شائع کیا اور صحابہ نے بھی اور بالخصوص حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب نے آپؓ کی ہدایات کی روشنی میں اُن حملوں کے جواب میں کتب اور مضامین لکھے اور دشمنانِ احمدیت کے زہریلے اثر کو زائل کرنے اور کامیاب مدافعت کا فریضہ سرانجام دیا۔ جلد ہی انہیں احساس ہونا شروع ہو گیا کہ احمدیت ان کے لئے تر نوالہ ثابت نہیں ہو گی اور ان کی امید کہ ایک سال کے اندر اندر جماعت کا شیرازہ بکھر جائے گا، ناکام ہوتی نظر آنے لگی۔ جماعت احمدیہ پر خوف اور سخت خوف کا وقت آیا مگر اللہ تعالیٰ کے غالب ہاتھ نے اپنے مقرر کردہ خلیفہ کے ذریعہ احمدیوں کے خوف کو امن میں بدل دیا۔ دشمنانِ احمدیت نے بڑی حسرت کے ساتھ یہ نظارہ دیکھا کہ جماعت احمدیہ نے اپنے آقا و مطاع خلیفۃ المسیح کی کامل اطاعت کی اور ثابت قدمی کے ساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن رہی۔

بیرونی حملوں کے ساتھ ساتھ اندرونی حملوں کا بھی آغاز ہو گیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت کی ایک اور مماثلت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہے کہ آپؓ کے زمانہ خلافت میں بعض نام نہاد احمدیوں نے خلیفۃ المسیح اور مصلح موعود ہونے کا دعویٰ شروع کر دیا۔ بعض نے دماغی خلل کی وجہ سے اور کچھ نے ازراہِ شرارت خلیفۃ المسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ یہ دعویٰ کرنے والے بڑے زور شور سے اٹھے اور اعلان کیا کہ جلد ہی جماعت ان کے گرد جمع ہو جائے گی مگر بالآخر ناکامی و نامرادی اور ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی۔ اندرونی حملوں کی یہ شکل بظاہر خوفناک تھی مگر کوئی دیرپا اثرات مرتب نہ کر سکی۔ اندرونی حملوں کی ایک قسم ابھی باقی تھی جس نے جماعت کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ خلافتِ اولیٰ کے قیام کے کچھ عرصہ کے بعد ہی بعض سرکردہ احباب جو اپنے زعم میں خود کو جماعت کا ستون سمجھتے تھے اور انہیں اپنے تقویٰ، بزرگی، علم و عرفان اور اثر و رسوخ پر گھمنڈ تھا خلافت کے ننھے پودے کو جڑ سے اکھاڑنے کیلئے فتنہ پرداز ہو گئے۔ ان احباب میں خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی، ڈاکٹر یعقوب، شیخ رحمت اللہ اور ان کے ہم نوا احباب نے درپردہ یہ مہم شروع کر دی کہ حضرت مسیح موعودؑ کا اصل جانشین خلیفۃ المسیح نہیں بلکہ انجمن ہے۔ اس طرح وہ خود جماعت کی سربراہی کا اعزاز حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ جماعت میں ان کا وہ عظیم الشان مقام و مرتبہ ہے کہ جس طرف وہ اشارہ کریں گے لوگ اس راہ پر گامزن ہو جائیں گے۔ ان کے نزدیک حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی ذات ایک کمزور وجود تھا اور وہ اپنے زعم میں سمجھتے تھے کہ بہت جلد وہ اپنے مقصد کو پالیں گے۔ اس طرف ان کی نظر نہ گئی کہ خلیفہ تو خود خدا تعالیٰ بناتا ہے اور خود خدا تعالیٰ کا زبردست طاقت والا ہاتھ اس کی پشت پناہی کر رہا ہوتا ہے۔ خلیفہ بظاہر کتنا ہی کمزور نظر آ رہا ہو، تمام طاقتوروں سے زیادہ طاقت کا حامل ہوتا ہے کیونکہ اس کی پشت پر غالب قدرت والا خدا کھڑا ہوتا ہے۔

اس ضمن میں یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس فتنہ کے ظاہر ہونے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک نمایاں پہلو نظر آتا ہے کیونکہ آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا تھا کہ ایسا واقعہ ہو گا۔ آپؑ کا الہام ہے کہ "خدا دو مسلمان فریق میں سے ایک کا ہو گا۔ پس یہ پھوٹ کا ثمرہ ہے" (تذکرہ طبع دوم صفحہ 211)۔ اس کے علاوہ خلافت اور فتنہ کے متعلق فرمایا کہ "کیا دیکھتا ہوں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن گیا ہوں ... اور ایسی صورت واقعہ ہے کہ ایک گروہ خوارج کا میری خلافت کا مزاحم ہو رہا ہے یعنی وہ گروہ میری خلافت کے امر کو روکنا چاہتا ہے اور اس میں فتنہ وارتداد ہے" (تذکرہ)۔ اس کے علاوہ دیگر رویا و الہامات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حیرت انگیز تفصیلات کی اطلاع دی گئی تھی کہ خلافت کے فتنہ کا مرکز لاہور میں ہو گا اور بعض مولوی اس فتنہ کے سرکردہ ہوں گے۔ اور کچھ لوگ ارتداد اختیار کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور منافقین اور مخالفینِ خلافت نے لاہور کو اپنا مرکز بنا کر خلافت کے خلاف سازباز شروع کر دی۔

خلافتِ اولیٰ کے آغاز کے بعد مخالفین خلافت کے گروہ نے اس بات پر زور دینا شروع کر دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل جانشین انجمن ہے اور اس کے فیصلے آخری فیصلے ہوں گے۔ جلسہ سالانہ 1908ء کے موقعہ پر بھی اس قسم کی باتیں ہوئیں جس کے نتیجہ میں یہ سوال کیا جانے لگا کہ اصل حاکم و مطاع کون ہے، خلیفۃ المسیح یا انجمن؟ جب حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو آپؓ نے خداداد نورِ فراست سے اس فتنہ کو بھانپ لیا اور اس کا قلع قمع کرنے کے لئے تاریخی اقدامات فرمائے اور بڑی ہمت و جوانمردی اور فراست و حکمت کے ساتھ مخالفین کا مقابلہ فرمایا۔ 31/ جنوری 1909ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے جماعت کے اڑھائی سو نمائندگان کو مشورہ کے لئے بلایا اور ان کے سامنے ایک جلالی تقریر میں فرمایا:

"میرا فیصلہ ہے کہ قوم اور انجمن دونوں کا خلیفہ مطاع ہے اور یہ دونوں خادم ہیں۔ انجمن مشیر ہے اور اس کا رکھنا خلیفہ کے لئے ضروری ہے۔ جس نے یہ لکھا ہے کہ خلیفہ کا کام بیعت لینا ہے اصل حاکم انجمن ہے، وہ توبہ کرے۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ اگر اس جماعت میں سے کوئی تجھے چھوڑ کر مرتد ہو جائے گا تو میں اس کے بدلے میں تجھے ایک جماعت دوں گا۔ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا کام صرف نماز پڑھانا یا جنازہ یا نکاح پڑھا دینا ہے اور یا بیعت لے لینا ہے، یہ کام تو ایک مُلاّ بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے خلیفہ کی ضرورت نہیں اور میں اس قسم کی بیعت پر تُھوکتا بھی نہیں۔ بیعت وہی ہے جس میں کامل اطاعت کی جائے اور جس میں خلیفہ کے ایک حکم سے بھی انحراف نہ کیا جائے"۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر اتنی مؤثر اور دل ہلا دینے والی تھی کہ سامعین پر خوب واضح ہو گیا کہ خلیفہ کا کیا مقام ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے اور جماعت کی طاقت خلافت کی عظمت کے ساتھ وابستہ

ہے۔اس موقعہ پر خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی سے اس فتنہ کا بانی ہونے کی وجہ سے فرمایا کہ وہ دوبارہ بیعت کریں۔انہوں نے فطری بزدلی کی بناء پر بیعت تو کرلی مگر اپنے مؤقف سے نہ ہٹے اور درپردہ خلافت کے خلاف سازباز کرتے رہے حتی کہ بعض موقعوں پر بڑی بے باکی کے ساتھ عزلِ خلافت کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔عید الفطر 16 اکتوبر 1909ء کو اُن لوگوں کو مخاطب کر کے آپؓ نے فرمایا:"خدا نے جس کام پر مجھے مقرر کیا ہے میں بڑے زور سے خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اب میں اس کُرتے کو ہرگز نہیں اتار سکتا۔اگر سارا جہان بھی اور تم بھی میرے مخالف ہو جاؤ تو میں تمہاری بالکل پرواہ نہیں کرتا اور نہ کروں گا۔.....تم معاہدہ کا حق پورا کرو پھر دیکھو کس قدر ترقی کرتے ہو اور کیسے کامیاب ہوتے ہو!مجھے ضرور تاً کچھ کہنا پڑا ہے۔اُس کا میرے ساتھ وعدہ ہے کہ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔مجھے دوبارہ بیعت لینے کی ضرورت نہیں تم اپنے پہلے معاہدہ پر قائم رہو۔ایسا نہ ہو کہ نفاق میں مبتلا ہو جاؤ۔اگر تم مجھ میں کوئی اعوجاج دیکھو تو اس کی استقامت کی دعا سے کوشش کرو۔مگر یہ گمان نہ کرو کہ تم مجھ بڈھے کو آیت یا حدیث یا مرزا صاحب کے کسی قول کے معنے سمجھالو گے۔اگر میں گندہ ہوں تو یوں دعا مانگو کہ خدا مجھے دنیا سے اٹھا لے پھر دیکھو کہ دعا کس پر الٹی پڑتی ہے.....میں ایسے لوگوں کو جماعت سے الگ نہیں کرتا کہ شاید وہ سمجھیں، پھر سمجھ جائیں، پھر سمجھ جائیں۔ایسا نہ ہو کہ ان کی ٹھوکر کا باعث بنوں۔میں اخیر میں پھر کہتا ہوں کہ آپس میں تباغض و تحاسد کا رنگ چھوڑ دو۔کوئی امر امن یا خوف کا پیش آجاوے، عوام کو نہ سناؤ۔ہاں جب کوئی امر طے ہو جائے تو بے شک اشاعت کرو۔اب میں تمہیں کہتا ہوں کہ یہ باتیں تمہیں ماننی پڑیں گی طوعاً و کرھاً اور آخر یہ کہنا پڑے گا اَتَيْنَا طَائِعِينَ۔جو کچھ میں کہتا ہوں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں راہِ ہدایت پر قائم رکھے اور خاتمہ بالخیر کرے آمین۔"(تاریخ احمدیت جلد3)

خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی اکثریت شمع خلافت کے گرد پروانوں کی طرح نثار ہوتی رہی اور محبت واخلاص اور اطاعت میں منفرد مثالیں قائم کرتی چلی گئی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو ہر خوف کے بعد تمکین کا نشان دکھایا۔دشمنانِ خلافت کے دل میں جو بیماری تھی وہ بڑھتی چلی گئی اور انہیں صاف دکھائی دینے لگا کہ جماعت ان کی سربراہی کو قبول نہیں کرے گی اور خلافت کی عظمت و محبت ان کے دلوں میں زور پکڑتی چلی جائے گی۔اس پر انہیں یہ فکر بھی دامنگیر رہنے لگا کہ خلیفہ اوّل کے بعد جماعت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ کو خلیفہ بنالے گی کیونکہ ان کی موجودگی میں جماعت کی نظرِ انتخاب صرف ان ہی کی طرف اٹھے گی۔اس طرح حاسدینِ خلافت نے پھر ایک منظّم سازش کے ساتھ نظامِ خلافت کو سبوتاژ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہٗ کو ان کی سازشوں کا بخوبی علم تھا۔آپؓ نے جلسہ سالانہ 1911ء کے موقعہ پر مقامِ خلافت کے متعلق بڑی اہم نصائح فرمائیں جو جماعتِ احمدیہ کے لئے ہمیشہ کے لئے رہنمائی کا کام دیں گی۔آپؓ نے فرمایا:"میں خلیفۃ المسیح ہوں اور خدا نے مجھے بنایا ہے، میری کوئی خواہش اور آرزو نہ تھی اور کبھی نہ تھی۔اب خدا تعالیٰ نے مجھے یہ ردا پہنا دی ہے میں ان جھگڑوں کو ناپسند کرتا ہوں اور سخت ناپسند کرتا ہوں۔میں نہیں چاہتا کہ تم میں ایسی باتیں پیدا ہوں.....تم کو کیا معلوم ہے کہ قوم میں تفرقہ کے خیال سے بھی میرے دل پر کیا گذرتی ہے؟تم اس درد سے واقف نہیں۔تم اس تکلیف کا احساس نہیں رکھتے جو مجھے ہوتی ہے۔میں یہ چاہتا ہوں اور خدا ہی کے فضل سے یہ ہو گا کہ میں تمہارے اندر کسی قسم کے تنازعہ اور تفرقہ کی بات نہ سنوں بلکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا عملی نمونہ ہو وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا.... میں پھر تمہیں کہتا ہوں جو سنتا وہ سن لے اور دوسروں کو پہنچا دے کہ جھگڑا مت کرو۔ہم مر جائیں گے پھر تمہیں بہت سے موقعے جھگڑنے کے ہیں۔تم سمجھتے ہو میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کی طرح آسانی سے خلیفہ بن گیا ہوں؟تم اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے اور نہ اس دکھ کا اندازہ کر سکتے ہو اور نہ اس بوجھ کو سمجھ سکتے ہو جو مجھ پر رکھا گیا ہے۔یہ خدا کا فضل ہے کہ میں اس بوجھ کو برداشت کر سکا۔تم میں سے کوئی بھی نہیں جو اس کو برداشت تو ایک طرف، محسوس بھی کر سکے۔کیا وہ شخص جس کے ساتھ لاکھوں انسانوں کا تعلق ہو آرام کی نیند سو سکتا ہے۔"(بدر قادیان 25 دسمبر 1912ء)

نیز فرمایا:"میں اس مسجد میں قرآن کریم ہاتھ میں لے کر اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے پیر بننے کی ہرگز خواہش نہیں اور نہ تھی اور قطعاً خواہش نہ تھی۔خدا تعالیٰ کے منشاء کو کون جان سکتا ہے۔اس نے جو چاہا کیا۔تم سب کو پکڑ کر میرے ہاتھ پر جمع کر دیا اور اس نے آپ، نہ تم میں سے کسی نے مجھے خلافت کا کُرتا پہنا دیا۔میں اس کی عزت اور ادب کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں باوجود اس کے میں تمہارے مال اور تمہاری کسی بات کا بھی روادار نہیں اور میرے دل میں اتنی بھی خواہش نہیں کہ کوئی مجھے سلام کرتا ہے یا نہیں۔تمہارا مال جو میرے پاس نذر کے رنگ میں آتا تھا اس سے پہلے اپریل تک میں اسے مولوی محمد علی کو دے دیا کرتا تھا۔مگر کسی نے غلطی میں ڈالا اور اس نے کہا کہ یہ روپیہ ہمارا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔تب میں نے محض خدا کی رضا کے لئے اس روپیہ کو دینا بند کر دیا کہ میں دیکھوں یہ کیا کر سکتے ہیں۔ایسا کہنے والے نے غلطی کی، نہیں بے ادبی کی۔اسے چاہئے کہ توبہ کر لے۔میں پھر کہتا ہوں کہ وہ توبہ کر لے۔اب بھی توبہ کر لیں۔ایسے لوگ اگر توبہ نہ کریں گے تو ان کے لئے اچھا نہ ہو گا۔تم خوب یاد رکھو کہ معزول کرنا اب تمہارے اختیار میں نہیں۔تم مجھ میں عیب دیکھو، آگاہ کر دو مگر ادب کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں۔یہ خدا تعالیٰ کا اپنا کام ہے.....پس مجھے اگر خلیفہ بنایا ہے تو خدا نے بنایا ہے۔اور اپنے مصالح سے بنایا ہے، ہاں تمہاری بھلائی کے لئے بنایا۔خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے خلیفہ کو کوئی طاقت معزول نہیں کر سکتی،اس لئے تم میں سے کوئی مجھے معزول کرنے کی قدرت اور طاقت نہیں رکھتا۔اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے معزول کرنا ہو گا تو وہ مجھے موت دے دے گا۔تم اس معاملہ کو خدا کے حوالے کرو۔تم معزول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے"۔(بدر قادیان یکم فروری 1912ء)

افسوس صد افسوس مخالفینِ خلافت نے ان قیمتی اور درد بھری نصائح سے

کچھ فائدہ نہ اٹھایا بلکہ وہ خلافت کے خلاف سازشیں کرنے میں اور بھی بے باک ہو گئے۔ چونکہ وہ تقویٰ سے عاری تھے اس لئے انہوں نے اہلِ بیت مسیح موعود بالخصوص صاحبزادہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب کے بارے میں کچھ باتیں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خدمت میں پہنچانی شروع کر دیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے لاہور میں، جو ان لوگوں کی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا، جون 1912ء میں احمدیہ بلڈنگ میں ایک تقریر کے دوران مخاطب کر کے تنبیہ کی:

"میں نے تمہیں بار ہا کہا ہے اور قرآنِ مجید سے دکھایا ہے کہ خلیفہ بنانا انسان کا کام نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ آدم کو خلیفہ بنایا، کس نے؟ اللہ تعالیٰ نے...... میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خدا نے خلیفہ بنایا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ انجمن نے خلیفہ بنایا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس قسم کے خیالات ہلاکت تک پہنچاتے ہیں۔ تم ان سے بچو۔ پھر سن لو کہ مجھے نہ کسی انسان نے نہ کسی انجمن نے خلیفہ بنایا اور نہ میں کسی انجمن کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ وہ خلیفہ بنائے۔ پس مجھ کو نہ کسی انجمن نے بنایا اور نہ میں اس کے بنانے کی قدر کرتا ہوں اور اس کے چھوڑ دینے پر تھوکتا بھی نہیں اور نہ اب کسی میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی ردا کو مجھ سے چھین لے...... مرزا صاحب کی اولاد دل سے میری فدائی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جتنی فرمانبرداری میرا پیارا محمود، بشیر، شریف، نواب ناصر، نواب محمد علی خان کرتا ہے، تم میں سے ایک بھی نظر نہیں آتا...... میں باوجود اس بیماری کے جو مجھے کھڑا ہونا تکلیف دیتا ہے اس رقعہ کو دیکھ کر سمجھتا ہوں کہ خلافت کیسری کی دکان کا سوڈا واٹر نہیں۔ تم اس بکھیڑے سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ نہ تم کو کسی نے خلیفہ بنانا ہے نہ میری زندگی میں کوئی اور بن سکتا ہے۔ میں جب مر جاؤں گا تو پھر وہی کھڑا ہو گا جس کو خدا چاہے گا اور خدا اس کو آپ کھڑا کر دے گا۔ تم نے میرے ہاتھوں پر اقرار کئے ہیں۔ تم خلافت کا نام نہ لو۔ مجھے خدا نے خلیفہ بنا دیا ہے اور اب نہ تمہارے کہنے سے معزول ہو سکتا ہوں اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ وہ معزول کرے۔ اگر تم زیادہ زور دو گے تو یاد رکھو میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں جو تمہیں مرتدوں کی طرح سزا دیں گے۔ دیکھو! میری دعائیں عرش میں بھی سنی جاتی ہیں۔ میرا مولیٰ میرے کام میری دعا سے بھی پہلے کر دیتا ہے۔ میرے ساتھ لڑائی کرنا خدا سے لڑائی کرنا ہے۔ تم ایسی باتوں کو چھوڑ دو۔ توبہ کر لو" (بدر قادیان 28 جون 1912ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کا دور خلافتِ احمدیہ کی تاریخ میں ایک زرّیں دور تھا۔ آپؓ کو شدید مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ خلافتِ احمدیہ پر بیرونی اور اندرونی حملوں کی شدت کو آپ کی نحیف جان نے بڑی ہمت اور استقلال کے ساتھ برداشت کیا اور خلافتِ احمدیہ کی طرف چلایا جانے والا ہر تیر آپؓ نے اپنے سینے پر لیا اور خلافت کی مقدس امانت کی اس جوانمردی، دلیری اور شان سے حفاظت فرمائی کہ تاریخ گواہ ہے کہ اس کا حق ادا کر دیا۔ مومنوں کی جماعت کو اپنے سایہ میں لئے تیزی سے بلند منازل کی طرف سفر کرتے رہے اور خلافت کو وہ تمکنت عطا ہوتی رہی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں دیا گیا تھا۔ آپؓ نے ہمیشہ کے لئے جماعت پر خلافت کی ضرورت، اس کے مقام اور عظمت کو واضح کر دیا کہ جماعت کی طاقت کا راز اور ساری برکات کامل اطاعت اور استحکامِ خلافت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ نے آپؓ کے وصال کے بعد آپ کو الوداع کہتے ہوئے جو خراجِ تحسین پیش فرمایا وہ خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی استحکامِ خلافت کے لئے مساعی اور جماعت کی خلافت کے لئے محبت پر حرفِ آخر کے طور پر ہمیشہ کے لئے ایک خاص اہمیت کا حامل رہے گا۔

"اے جانے والے تجھے تیرا عہدِ خلافت مبارک ہو کہ تو نے اپنے امام و مطاع مسیح کی امانت کو خوب نبھایا اور خلافت کی بنیادوں کو ایسی آہنی سلاخوں سے باندھ دیا کہ پھر کوئی طاقت اسے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکی۔ جا! اور اپنے آقا کے ہاتھوں سے مبارکباد کا تحفہ لے اور رضوانِ یار کا ہار پہن کر جنت میں ابدی بسیرا کر۔ اور اے آنے والے! تجھے بھی مبارک ہو کہ تو نے سیاہ بادلوں کی دل ہلا دینے والی گرجوں میں مسندِ خلافت پر قدم رکھا اور قدم رکھتے ہی رحمت کی بارشیں برسا دیں۔ تو ہزاروں کانپتے ہوئے دلوں میں سے ہو کر تختِ امامت کی طرف آیا اور ایک ہاتھ کی جنبش سے ان تھراتے ہوئے سینوں کو سکینت بخش دی۔ آ! اور ایک مشکور جماعت کی ہزاروں دعاؤں اور تمناؤں کے ساتھ اُن کی سرداری کے تاج کو قبول کر۔ تو ہمارے پہلو سے اٹھا ہے مگر بہت دور سے آیا ہے۔ آ! اور ایک قریب رہنے والے کی محبت اور دور سے آنے والے کے اکرام کا نظارہ دیکھ"۔ (سلسلہ احمدیہ)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا ارشاد

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مَیں تو جاتا ہوں لیکن خدا تمہارے لئے قدرت ثانیہ بھیج دے گا، مگر ہمارے خدا کے پاس قدرت ثانیہ ہی نہیں، اس کے پاس قدرت ثالثہ بھی ہے اور اس کے پاس قدرت ثالثہ ہی نہیں، اس کے پاس قدرت رابعہ بھی ہے۔ قدرت اولیٰ کے بعد قدرت ثانیہ ظاہر ہوئی اور جب تک اس سلسلہ کو ساری میں نہیں پھیلا دیتا، اس وقت تک قدرت ثانیہ کے بعد قدرت ثالثہ آئے گی اور قدرت ثالثہ کے بعد قدرت رابعہ آئے گی اور قدرت رابعہ کے بعد قدرت خامسہ آئے گی اور قدرت خامسہ کے بعد قدرت سادسہ آئے گی اور خدا تعالیٰ کا ہاتھ لوگوں کو معجزہ دکھاتا چلا جائے گا اور دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اور زبردست سے زبردست بادشاہ بھی اس سکیم اور مقصد کے راستہ میں کھڑا نہیں ہو سکتا جس مقصد کے پورا کرنے کے لئے اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلی اینٹ بنایا۔ رسول کریم ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا کہ دین جب خطرہ میں ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے اہل فارس میں سے کچھ افراد کھڑا کرے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان میں سے ایک فرد تھے اور ایک فرد مَیں ہوں لیکن رِجَالٌ کے ماتحت ممکن ہے کہ اہل فارس میں سے کچھ اَور لوگ بھی ایسے ہوں جو دین کی عظمت قائم رکھنے اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے کھڑے ہوں"۔

(کراچی میں خطاب ۸ ستمبر ۱۹۵۰ء)

خلافت ...... انعام الٰہی اور مجموعہ برکات

(دبیر الحق)

عربی زبان میں خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے نمائندہ کی حیثیت سے دنیا میں تجدید دین کا کام کرتا ہے۔ اصطلاحی طور پر خلیفہ کا لفظ انبیاء کیلئے اور انبیاء کی وفات کے بعد اُس کے کام کو جاری رکھنے والوں کے لئے بولا جاتا ہے۔

خلافت کی اہمیت اور مقام کو سمجھنے کیلئے تمام پہلوؤں سے تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دین کی زندگی صرف خلافت کی بقا سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت کا مسئلہ دین کے اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے آیت کریمہ و اعتصموبحبل اللّٰہ جَمیعاً ولا تفرقوا کہ خدا کی رسی کو تم سب مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ نہ پیدا کرو میں خدا تعالیٰ اسی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ ایک وہ وقت تھا کہ اِذْ کُنتُمْ اعداء فَاَلَّفَ قُلُوبُکُمْ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو نبوت کے ذریعہ تمہیں ایسی محبت دی کہ تم بھائی بھائی بن گئے۔ مگر اب نبوت کے جانے کے بعد پھر منتشر نہ ہو جانا یہ اتحاد اور اتفاق اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ تم خدا کی رسی جو خلافت کی صورت میں دی گئی ہے مضبوطی سے تھامے رکھو۔

نبوت کے بعد خلافت ہی ایسی نعمت ہے جس کی برکت سے تم آپس میں محبت اور الفت کا ناطہ برقرار رکھ سکتے ہو۔ کرہ ارض کی ہر چیز بھی پیش کر دینے پر تم کسی کے دل میں محبت کے پھول نہیں اگا سکتے۔ آیت کریمہ لَو اَنْفَسَھُمْ مَا فِی الاَرْضِ جَمِیعًا مَاالَّفتَ بَینَ قُلُوبِھِمْ یعنی تو خواہ روئے زمین کی ہر چیز خرچ کر ڈالے تو بھی ان کے دلوں میں محبت پیدا نہیں کر سکتا، سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام میں خدا تعالیٰ کی قدرت اور محبت کا یہ نظام آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صورت میں اس وقت ظاہر ہوا جب بہت سے نادان مرتد ہو گئے اور صحابہ مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے یہاں تک کہ وہ جلیل القدر، بہادر اور باحوصلہ صحابی جو بعد میں خلیفہ ثانی بنے، حضرت عمرؓ آنحضور ﷺ کے وصال کی حقیقت کو تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ جنہیں خدا تعالیٰ نے مسندِ خلافت پر بٹھانا تھا کے ذریعہ ہر ایک کو حوصلہ اور دل کو ایسا سکون عطا کیا کہ تمام سعید فطرت آپ کے ہاتھ پر دوبارہ اکٹھے ہو گئے۔

اور یہی صورت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ میں حضرت حکیم مولوی نور الدینؓ کے ذریعہ دھرائی گئی۔

خلافت کی اہمیت

خلافت کا بنیادی مقصد خدا تعالیٰ کی واحدانیت کا قیام ہے۔ کائنات کی اول و آخر حقیقت بھی توحید باری تعالیٰ ہے۔ خدا تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے اور اس نور کے کامل اظہار کا ذریعہ نبوت ہے جبکہ اس نور کو دنیا میں پھیلانے اور زیادہ عرصہ کیلئے قائم رکھنے کا ذریعہ خلافت ہے۔ نبوت اگر خدائی نور کی دنیاوی آندھیوں سے بچانے کیلئے ڈھال ہے تو خلافت اس نور کو دور تک پھیلا کر آسمانی بادشاہت قائم رکھتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"چونکہ کسی انسان کیلئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کیلئے تا قیامت قائم رکھے۔ سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے"۔

(شہادت القرآن صفحہ ۸۵)

پس خلافت نبوت کے اغراض و مقاصد پورا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں: "نبی کی دو زندگیاں ہوتی ہیں، ایک شخصی اور قومی اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کو الہام سے شروع کرتا ہے ...... اور جب وہ وفات پا جاتا ہے تو کسی بنی بنائی سکیم کے ماتحت اس کے بعد نظام قائم نہیں ہوتا بلکہ ایک دم تغیر پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا محض الہام قوم کے دلوں کو اس نظام کی طرف متوجہ کر دیتا ہے ...... اسی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے اسکا نام قدرتِ ثانیہ رکھا ہے"۔ (خلافت راشدہ صفحہ ۱۶)

اسی طرح حضرت مصلح موعودؓ مزید فرماتے ہیں "اسلام کبھی ترقی نہیں کر سکتا جب تک خلافت نہ ہو۔ ہمیشہ خلفاء کے ذریعہ دین نے ترقی کی ہے اور آئندہ بھی اسی ذریعہ سے ترقی کرے گا...... بس تم خوب یاد رکھو کہ تمہاری تمام تر ترقیات خلافت سے وابستہ ہیں اور جس دن تم نے اس کو نہ سمجھا اور اسے قائم نہ رکھا وہی دن تمہاری ہلاکت کا دن ہوگا...... یاد رکھو اگر یہ جڑ رہی تو سب کچھ رہے گا"۔ (درس القرآن 1921 صفحہ 72)

نظام خلافت کی برکات

(۱) خوف سے نجات (۲) امن و استحکام (۳) اتحاد و یکجہتی

☆ خلافت بے مثل انعام ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کی جماعت کو عطا ہوتا ہے جیسا کہ یَسْتَخْلِفَنَّھُمْ مِن بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا سے صاف ظاہر ہے۔

ان تمام تجلیات کا اظہار آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد اور ہر خلافتِ راشدہ کے قیام کے موقع کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کے وصال اور پھر خلافت علیٰ منہاج نبوت کے قیام کے ہر موقع پر ہر ذی شعور مومن نے اپنی آنکھوں سے ہوتے دیکھا۔

ذیل میں مذکورہ بالا انعماء کے حوالہ سے مختصر اُعرض ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مسلمان ایرانی فوج سے نبرد آزما تھے خلافت کی برکت سے اس دوران ایک عجیب ایمان افروز واقعہ پیش آیا۔ایک دن کسریٰ کی فوجوں کو باہر سے بہت مدد آگئی اور مسلمانوں کا لشکر دشمن کے گھیرے میں آگیا اور قریب تھا کہ شکست سے دوچار ہو جائے مگر ادھر ہزاروں میل دور مدینہ میں حضرت عمرؓ خطبہ فرما رہے تھے۔خدا تعالیٰ نے آپؓ کو یہ سارا نازک حال کشفاً دکھا دیا۔آپؓ نے وہیں سے اونچی آواز میں فرمایا "اے ساریہ پہاڑی کی طرف ہٹ جاؤ"۔جس خدا نے اپنے خلیفہ کو ہزاروں میل دور مسلمانوں کی جنگی حالت سے مطلع فرما دیا۔اسی خدا نے آپؓ کی آواز لشکر کے قائد ساریہ تک بھی پہنچا دی اور وہ حضرت عمرؓ کی آواز سن کر فوراً پہاڑی کی طرف ہٹ گئے۔اور متوقع شکست یقینی فتح میں بدل گئی۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت کے کربناک واقعہ سے امت مسلمہ لرز گئی مگر حضرت علیؓ کے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی مسلمانوں کو ڈھارس بندھی اور منافقین کا فتنہ دبتا ہوا نظر آیا۔ابھی یہ فتنہ ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک اور آندھی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو سزا کا مطالبہ لے کر امیر معاویہؓ کی صورت میں اٹھی اس نازک حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روم کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں پر حملہ کے پر تولنے شروع کر دیئے۔اندرونی طور پر مسلمانوں میں خوف وہراس اور بیرونی طور پر شہنشاہ روم کی طرف سے حملہ کے خطرہ کو دیکھتے ہوئے خدائی تقدیر خلافت کے حق میں جاری ہوئی۔اور وہی معاویہؓ جو حضرت علیؓ کی مخالفت میں انتہا کو پہنچ رہے تھے یکدم رخ بدل کر روم کے بادشاہ سے مخاطب ہوئے اور کہلا بھیجا کہ یہ نہ سمجھنا مسلمانوں میں اختلاف ہے۔اگر تم نے اسلامی مملکت پر حملہ کیا تو سب سے پہلا جرنیل جو حضرت علیؓ کی طرف سے تمہارے مقابلہ پر نکلے گا وہ میں ہونگا۔اس تنبیہ سے رومی بادشاہ خوفزدہ ہوا اور حملہ سے باز آگیا اور مسلمانوں کو حملہ کے شدید خوف سے امن نصیب ہوا جو کہ صرف خلافت کی برکت کا نتیجہ تھا۔

ادھر خلفائے احمدیت کے ادوار پر غور کرتے ہیں تو یہی حقیقت روشن ہو کر سامنے آتی ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے درخشندہ دور خلافت میں کیسے کیسے مخالفت کے طوفان اٹھے مگر خدا تعالیٰ نے اپنے خلیفہ برحق کی ایسی رہنمائی فرمائی کہ جماعت احمدیہ ہمیشہ ان طوفانوں سے بچتی آئی۔

1934ء میں احراریوں کا فتنہ جس میں دنیا خیال کر رہی تھی کہ احمدیت چند دنوں کی مہمان ہے،اس وقت خدا تعالیٰ کے خلیفہ نے اعلان فرمایا "خدا مجھے اور میری جماعت کو فتح دے گا۔کیونکہ خدا نے جس راستہ پر مجھے کھڑا کیا ہے وہ فتح کا راستہ ہے......اس کے مقابلہ پر زمین ہمارے دشمنوں کے پاؤں سے نکل رہی ہے اور میں شکست کو ان کے قریب آتے دیکھ رہا ہوں"۔

1953ء کی مشہور زمانہ اینٹی احمدیت ایجی ٹیشن کے طوفان میں خدا کے اس سپہ سالار نے یہ خوشخبری سنائی کہ "انشاء اللہ فتح ہماری ہے کیا آپ نے گذشتہ چالیس سالوں میں کبھی دیکھا ہے کہ خدا نے مجھے چھوڑ دیا۔تو کیا اب وہ مجھے چھوڑ دے گا؟ ساری دنیا مجھے چھوڑ دے مگر وہ انشاء اللہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گا۔سمجھ لو کہ وہ میری مدد کیلئے دوڑا آ رہا ہے،وہ میرے پاس ہے،خطرات ہیں اور بہت ہیں مگر اس کی مدد سے سب دور ہو جائیں گے"۔

پھر 1974ء میں جماعت کو آگ اور خون کے دریا سے گزرنا پڑا تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے بھی اسی خدا کے قادر کی نصرت کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی فوجیں ہماری مدد کیلئے آ رہی ہیں خدا کی نصرت کا وقت قریب ہے"۔اور پھر نہ صرف جماعت بلکہ ساری دنیا نے دیکھا کہ اس آتش فشاں میں سے کس طرح رحمت کے بادل جماعت پر چھائے۔

جس مخالفت کی آگ میں بیٹے باپ کی نظروں کے سامنے شہید کیئے گئے،احمدیوں نے اپنی تمام مالی متاع کو نذر آتش ہوتے دیکھا اور لٹے پٹے مہاجرین جب ہزاروں کی تعداد میں ربوہ پہنچتے تو دوسری طرف اس دور میں کربلا کی یاد تازہ کر دی۔ان تمام چیزوں کے ہوتے ہوئے...... لٹے پھٹے ناامیدی کے دھوئیں میں ڈوبے ہوئے جب خلیفۂ وقت سے ملے تو آن واحد میں آنکھوں میں سکون اور اطمینان اور چہروں پر بشاشت کھل اٹھی۔خوف کی پرچھائیاں قرار میں تبدیل ہونے لگیں اور زبان تشکر کے نغمے گانے لگی۔یہ سب کیسے ہوا یہ خلافت کا ہی کارنامہ ہے۔

کیا خلافت رابعہ کا دور کسی سے چھپا ہوا ہے۔کیا دشمن اپنے وار آخری حد تک نہیں کر بیٹھا تھا۔وہ اس خلافت کو مٹانے کیلئے شیطانی حربوں کے ساتھ آخری حد تک نہ جا پہنچا تھا۔مگر کیا دنیا نے نہیں دیکھا کہ خلافت کو کھیل سمجھ کر اس سے کھیلنے والا خود فضا میں کس طرح جل کر راکھ ہؤا کہ نام و نشان نہ رہا۔اور رہتی دنیا کیلئے عبرت کا نشان بنا۔اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خوشخبری عظیم الشان رنگ میں پوری ہوئی کہ "آئندہ خلافت کو کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا"۔اس خوشخبری کو ہم نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے دور میں اور پھر خلافت خامسہ کے موقع پر اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھا۔آخر پر میں اس مضمون کو حضرت مصلح موعودؓ کی دعا پر ختم کرتا ہوں۔خدا کرے کہ یہ دعا ہمیشہ ہم سب کے حق میں پوری ہوتی رہے۔آمین

"میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تم کو ہمیشہ خلافت کا خدمت گذار رکھے اور تمہارے ذریعہ احمدیت خلافت قیامت تک محفوظ چلی جائے اور قیامت تک سلسلہ احمدیہ کے ذریعہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت ہوتی رہے۔اور تم اور تمہاری نسلیں قیامت تک اس کا جھنڈا اونچا رکھیں اور کبھی بھی وہ وقت نہ آئے کہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت میں تمہارا یا تمہاری نسلوں کا حصہ نہ ہو بلکہ ہمیشہ ہمیش کیلئے تمہارا اور تمہاری نسلوں کا اس میں حصہ ہو اور جس طرح پہلے زمانہ میں خلافت کے دشمن ناکام ہوتے چلے آئے ہیں تم بھی جلد ہی سالوں میں نہیں بلکہ مہینوں میں ان کو ناکام ہوتا دیکھ لو"۔

(فرمودہ 19 اکتوبر 1956ء مطبوعہ الفضل 24 اپریل 1957ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولادوں کو خلافت کے دائمی نظام سے وابستہ اور اس کی برکات سے مستفیض فرماتا رہے۔آمین ثم آمین

اصحاب احمدؑ کا عشق قرآن

(محمود احمد ملک)

(قسط اوّل)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا عظیم الشان مقصد اسلام کا احیاءِ نو اور قرآن کریم کی اُس حقیقی تعلیم کو دنیا میں دوبارہ رائج کرنا تھا جو آنحضرت ﷺ کے بعد آہستہ آہستہ معدوم ہونے لگی تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آنحضور ﷺ کی وفات کے محض چند سو سال کے بعد ہی ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن کے پیروکار ۷۲ رچھوٹے چھوٹے فرقوں میں بٹ کر انتشار کا شکار ہوتے چلے گئے تھے۔ ہر فرقہ نہ صرف خود کو ہی مسلمانوں میں سے بہترین حصہ خیال کرنے لگا تھا بلکہ دوسرے فرقوں سے معمولی اختلاف بھی اُس کے پیروکاروں کے لئے ناقابل برداشت ہونے لگا تھا۔ چنانچہ وہ وقت بھی آیا جب اکثر فرقوں کے نزدیک دیگر فرقوں کے مسلمان نہ صرف مرتد، کافر، زندیق اور جہنمی بن چکے تھے بلکہ بعض اُن کے قتل اور اُن کے نکاحوں کے فسخ ہونے اور اُس کے نتیجہ میں اُن کی اولاد کے حوالہ سے نہایت گھٹیا زبان میں لچر فتاویٰ جاری کرنے میں بھی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

یہ خدا تعالیٰ کا عظیم الشان احسان ہے کہ آنحضور ﷺ کی امت کو گمراہی کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہر صدی ہجری کے سر پر مجدد دین بھیجے بلکہ دنیا کے آخری ایک ہزار سال کے لئے ایک ایسا وجود بھی مبعوث فرمایا جو مسیح و مہدی ہونے کے ساتھ ساتھ ذیلی نبوت کے عظیم الشان مقام پر بھی فائز تھا اور اس پہلو سے مختلف فرقوں کے لئے حَکَم کا درجہ بھی رکھتا تھا۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں پر مہر صداقت ثبت کرتے ہوئے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا تو آپؑ نے امّت مسلمہ کے انتشار و افتراق کو اتحاد و یگانگت میں تبدیل کرنے کے لئے نہ صرف فروعی اختلافات کو چھوڑنے اور قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑنے کی تعلیم دی بلکہ قرآن کریم کی حقیقی تعلیم کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس تعلیم کے ہر دور میں قابل عمل ہونے کو ثابت کرنے کے لئے بھی اپنی تمام تر طاقتیں صرف کر دیں۔ اور اس حوالہ سے دینی و دنیاوی علوم کے مختلف ماہرین کو قائل کرنے کے لئے حضرت اقدس علیہ السلام نے نہ صرف قرآن کریم پر کئے جانے والے تمام معلوم اعتراضات کے مدلل جواب دیئے بلکہ عقلی و نقلی دلائل کے انبار لگاتے ہوئے یہ بھی ثابت فرمادیا کہ آج اگر کوئی الہامی کتاب اپنی اصل حالت میں موجود ہے تو وہ صرف قرآن کریم ہی ہے اور صرف یہی وہ کتاب ہے جس کی صداقت کا دعویٰ خود اس کے اندر موجود ہے۔

اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہؓ کو قرآن کریم سے محبت اور عشق کے طفیل اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی غیر معمولی خدمت کی توفیق بخشی۔ چنانچہ صحابہ کرام کے ذریعے اشاعت قرآن کریم کے لئے بہت سے ادارے قائم کئے گئے، دیگر زبانوں میں تراجم ہوئے، درس و تدریس کی مجالس جاری ہوئیں۔ ایسی تفاسیر لکھی گئیں جنہیں دنیا بھر کے علماء نے سراہا اور نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اُن بابرکت وجودوں کی کاوشوں کی روحانی برکات آج بھی جاری ہیں اور دنیا کے مختلف حصوں میں قرآنی انوار کے انتشار کا باعث بن رہی ہیں۔

بعض صحابہ کرام کے قرآن کریم سے عشق اور اس کے لئے غیر معمولی خدمات کا آغاز اُن دو بابرکت وجودوں سے کیا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف مسیح محمدی کے صحابہؓ میں شامل ہونے کی سعادت بھی عطا فرمائی بلکہ مسیح دوراں کی وفات کے بعد آپؑ کی کامیاب نیابت کی توفیق بھی بخشی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ

حضرت حافظ حکیم مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۸۴۱ء میں بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ آپؓ کا شجرہ نسب ۳۴ ویں پشت پر حضرت عمرؓ سے مل جاتا ہے اس لحاظ سے آپؓ قریشی ہاشمی فاروقی تھے۔ آپؓ کل سات بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ آپؓ کے والد ماجد حضرت حافظ غلام رسول صاحب قرآن کریم کے عاشق تھے۔ ان کے آباء و اجداد میں سے کم از کم دس افراد حفاظِ قرآن تھے اور انہیں قرآن کریم کے نسخے خریدنے اور دوسروں کو مفت ہدیہ کرنے کا بہت شوق تھا اور اس بارہ میں وہ بے دریغ روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اسی طرح انہیں تحصیل علم کا بھی بے انتہا شوق تھا۔ چنانچہ یہ دونوں خوبیاں سیدنا نورالدینؓ کو وراثت میں ملیں۔

حضرت حکیم مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ فرماتے ہیں: "مجھے قرآن کے برابر پیاری کوئی کتاب نہیں ملی اس سے بڑھ کر کوئی کتاب پسند نہیں، قرآن (ہی) کافی کتاب ہے"۔ نیز فرمایا: "میں نے خود بلاواسطہ حضرت علیؓ سے قرآن کے بعض معارف سیکھے ہیں"۔

حضورؓ فرماتے ہیں: "میں نے دعا کی کہ وہ مجھے ایسی دعا سکھادے جو ایک جامع دعا ہو۔ پس یہ دعا میرے دل میں ڈالی گئی کہ مضطر ہو کر جو کچھ بھی مانگوں وہ مجھے دیدے۔ اب اس دعا کے ذریعے سے خدا تعالیٰ نے مجھے قرآن کی محبت دی"۔

آپؓ اپنی قادیان ہجرت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "صرف قرآن شریف سمجھنے کے لئے اللہ واحد کی تڑپ مجھے یہاں لائی"۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا یہ تعلق باللہ اور قرآن مجید کے ساتھ عشق ہی تھا کہ آپ کو خواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت دی گئی کہ اگر کوئی منکر قرآن آپ سے کسی ایسی آیت کا مطلب پوچھے جس سے آپ ناواقف ہوں تو اس کا علم تمہیں ہم دیں گے۔ چنانچہ ایک ہندو کی کتاب کا جواب لکھتے

ہوئے جب حروف مقطعات کی بحث کا موقع آیا تو ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں دو سجدوں کے درمیان دعا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو مقطعات کا وسیع علم عطا فرمایا جس کا ایک حصہ آپؓ نے رسالہ نور الدین میں شائع فرمادیا۔

قرآن کریم سے آپؓ کو اتنا عشق تھا کہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ مجھے بہشت اور حشر میں نعمتیں دے تو مَیں سب سے پہلے قرآن شریف مانگوں گا تا حشر کے میدان میں بھی اور بہشت میں بھی قرآن شریف پڑھوں، پڑھاؤں اور سنوں۔

جب حضورؓ نے حضرت مصلح موعودؓ کو بچپن میں قرآن شریف اور اس کی تفسیر کے طور پر بخاری شریف پڑھائی تو فرمایا: "لو میاں سب دنیا کے علوم آگئے اس کے سوا جو کچھ ہے یا زائد یا ان کی تشریح ہے"۔

حضورؓ ایک موقع پر فرماتے ہیں: "میرے پاس کوئی ایسا چاقو نہیں جس سے میں اپنا دل چیر کر تمہیں دکھلا سکوں کہ مجھے قرآن سے کس قدر محبت اور پیار ہے"۔

پھر فرمایا: "مجھے قرآن سے محبت ہے اور بہت محبت ہے۔ قرآن مجید میری غذا ہے۔ مَیں سخت کمزور ہوتا ہوں، قرآن مجید پڑھتے پڑھتے مجھ میں طاقت آجاتی ہے"۔

جب حضورؓ مہاراجہ جموں کے شاہی طبیب تھے تو آپؓ نے بعض خدمتگاروں کو قرآن سنانا شروع کیا۔ دو روز بعد خزانہ کا افسر رلی رام کہنے لگا دیکھوان کو قرآن شریف سنانے سے روکو، ورنہ میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

جموں میں ہی آپؓ کو زخم آگیا اور ایک مہینہ کا سفر درپیش ہونے کی وجہ سے پالکی کا انتظام کیا گیا۔ آپؓ نے خدا تعالیٰ کے شکریہ کے طور پر اس سفر کے دوران قرآن شریف کی تلاوت شروع کی اور چودہ پارے حفظ کر لئے۔ بعد میں بقیہ پارے یاد کر کے پورا قرآن کریم نہایت مختصر وقت میں حفظ کر لیا۔

حضرت حکیم مولانا نور الدین صاحب اگست ۱۸۹۴ء میں نواب بہاولپور کے علاج کے سلسلہ میں بہاولپور تشریف لے گئے۔ نواب صاحب کے پیر و مرشد سرائیکی زبان کے مشہور صوفی شاعر اور عالم دین حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف نے آپؓ کو بلوانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ دراصل تو ہم آپ سے ملاقات کرنا اور قرآن پاک کے معارف سننا چاہتے تھے۔ پھر نواب صاحب نے آپ کو ساٹھ ہزار ایکڑ زمین کی پیشکش کی کہ آپؓ اُن کے پاس ہی رہ جائیں مگر آپؓ یہ پیشکش رد کر کے اپنے آقا و مطاع حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی کے قدموں میں حاضر ہو گئے۔

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف نے آپؓ کے بارہ میں فرمایا: "یہ مولوی نور الدین وہ بلا ہے جسے ہندوستان میں علّامہ کہتے ہیں۔"

برصغیر پاک وہند کے معروف عالم دین اور سیاسی راہنما مولانا عبید اللہ سندھی جو اپنی "ریشمی رومال" کی تحریک کی وجہ سے جانے جاتے ہیں، نے ایک بار حرم کعبہ کی ایک مجلس میں فرمایا: "حکیم نور الدین بہت بڑے عالم قرآن تھے"۔ اس پر حاضرین میں سے ایک صاحب غصے میں آگئے اور بڑے ناراض ہو کر کہنے لگے کہ مولانا وہ تو قادیانی تھے۔ مولانا مسکرائے اور بڑے تحمل سے کہا کہ میں نے کب کہا ہے کہ حکیم نور الدین قادیانی نہیں ہے۔ میں نے: بات کہی ہے وہ تو صرف اتنی ہے کہ وہ بہت بڑے عالم قرآن تھے۔ دوسرے دن

تفصیل پوچھنے پر فرمایا کہ میں حکیم صاحب سے قادیان میں متعدد بار ملا۔ واقعی وہ بہت بڑے عالم قرآن تھے۔ میں تو ہندوستان سے باہر کئی اسلامی ملکوں میں رہ چکا ہوں اور یہاں مکہ معظمہ میں مختلف ملکوں سے بڑے بڑے مسلمان علماء آتے رہتے ہیں مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے آج تک علوم قرآن کا اتنا بڑا عالم نہیں دیکھا جتنے حکیم نور الدین تھے۔

قادیان ہجرت فرمانے کے بعد آپؓ کا روزانہ کا معمول تھا کہ صبح سویرے بیماروں کو دیکھتے پھر طلبہ کو درس حدیث و طبی کتب دیتے، مثنوی شریف اور حضرت مسیح موعودؑ کی کتب کا درس بھی گاہے دیتے۔ بعد نماز عصر روزانہ درس قرآن شریف دیا کرتے اور عموماً صبح کے وقت عورتوں میں بھی درس قرآن شریف دیا کرتے۔ اوائل زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ بھی کبھی کبھی آپؓ کے درس میں شامل ہوا کرتے تھے۔

حضرت پیر سراج الحق نعمانی صاحبؓ کا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار شاید پچاس مرتبہ مجھے فرمایا کہ مولوی نور الدین صاحب کی تفسیر قرآن آسمانی تفسیر ہے، ان سے قرآن پڑھا کرو اور اگر تم نے دو تین سپارے بھی سنے یا پڑھے تو تم کو قرآن شریف سمجھنے کا مادہ اور تفسیر کا ملکہ پیدا ہو جائے گا۔

حضرت مولانا غلام رسول راجیکی صاحبؓ کی ایک رؤیا میں بھی حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے فہم قرآن پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ رؤیا میں ایک سلسلہ مکانات کے اندر جب میں ستر مکانات عبور کر کے آخر ایک مکان میں پہنچا جو بقعہ نور بنا ہوا تھا تو دیکھا کہ ایک بڑی میز پر بہت سے انبیاء کے صحیفے پڑے ہیں جو لوگوں نے محرف و مبدل کر دئے ہیں۔ اس میز کے ساتھ ایک عظیم الشان کرسی پر سیدنا حضرت نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّلؓ تشریف فرما ہیں اور صحیفوں کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کے ذریعے سے ان اغلاط کو درست کر رہے ہیں جو بوجہ تحریف ان میں داخل ہو گئی ہیں۔

حضورؓ کو قرآن کریم سے ایسا عشق اور اس کی تدریس کا ایسا والہانہ شوق تھا کہ ایک دفعہ مسجد اقصیٰ میں درس دیتے ہوئے اچانک آپؓ کو شدید ضعف ہو گیا۔ آپؓ بیٹھ گئے۔ پھر لیٹ گئے، ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ چلنے کی قوت نہ رہی تو آپؓ کو چارپائی پر اٹھا کر گھر لانے لگے مگر راستے میں جب مسجد مبارک کے پاس پہنچے تو فرمایا: مجھے گھر نہ لے جاؤ، مسجد میں لے جاؤ۔ بمشکل تمام مسجد مبارک کی چھت پر پہنچ کر نماز پڑھی اور باوجود اس تکلیف کے، نماز مغرب کے بعد ایک رکوع کا درس دیا۔ پھر چارپائی پر اٹھا کر گھر تک لائے۔

حضرت ملک غلام فرید صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؓ کی سیرۃ کا ذکر قرآن سے آپؓ کی محبت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ جس باقاعدگی اور محبت سے حضورؓ نے پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے وقت میں اور پھر اپنے دورِ خلافت میں قرآن کریم کا درس جاری رکھا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپؓ اپنی عمر کے آخری پانچ چھ مہینوں میں جب بہت ہی ضعیف ہو گئے اور مسجد اقصیٰ جانا آپؓ کیلئے آسان نہ رہا تو بھی آپ بصد مشکل وہاں پہنچ جاتے اور کبھی دوسروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے ہوئے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے، کبھی دو تین جگہ راستہ میں بیٹھ کر آرام فرماتے اور پھر آگے روانہ ہوتے۔ لیکن جب

کمزوری مزید بڑھ گئی تو حضورؓ نے مدرسہ احمدیہ کے صحن میں درس دینا شروع کردیا۔ جب اور زیادہ ضعف ہوگیا تو میاں عبدالحیٔ صاحب کی بیٹھک کے اندرونی برآمدہ میں چند دن درس دیتے رہے اور وفات سے ایک روز پہلے تو اتنا ضعف تھا کہ دو تین فٹ تک بھی آپؓ کی آواز بمشکل پہنچتی تھی لیکن عشق قرآن مجید کے باعث آپؓ درس دے رہے تھے۔

قرآن کریم سے اپنی محبت کا نقشہ کھینچتے ہوئے حضورؓ فرماتے ہیں: "قرآن شریف کے ساتھ مجھ کو اس قدر محبت ہے کہ بعض اوقات تو حروف کے گول دوائر مجھے زلف محبوب نظر آتے ہیں اور میرے منہ سے قرآن کا ایک دریا رواں ہوتا ہے اور میرے سینے میں قرآن کا ایک باغ لگا ہوا ہے۔ بعض وقت تو مَیں حیران ہوجاتا ہوں کہ کس طرح اس کے معارف بیان کروں"۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی خواہش تھی کہ قادیان میں قرآن کریم کی تعلیم کیلئے ایک ادارہ "دارالقرآن" قائم ہو۔ اگرچہ انجمن موجود تھی لیکن حضورؓ کی خواہش تھی کہ یہ کام حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کی زیرنگرانی انجام پائے۔

حضرت مصلح موعودؓ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ الٰہی بشارتوں کے عین مطابق ۱۲؍جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے۔ پیشگوئی مصلح موعود کے مطابق آپؓ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی علوم سے سرفراز فرمایا۔ خصوصاً قرآن کریم کا علم اور اس کی تفسیر بیان کرنے کا ملکہ آپؓ کو عطا فرمایا۔ حضورؓ خود فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے بیج کے طور پر میرے دل اور دماغ میں قرآنی علوم کا ایک خزانہ رکھ دیا ہے"۔ چنانچہ کم وبیش دو ہزار خطبات جمعہ اور بے شمار تقاریر اس دعویٰ پر گواہ ہیں اور قرآن کے حوالہ سے آپؓ نے ہر مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ کی عظیم الشان "تفسیر کبیر" کے بارہ میں دنیاوی لحاظ سے چوٹی کے احمدی علماء اور بہت سے نامور غیر از جماعت علماء نے تعریفی کلمات کہے ہیں۔ چنانچہ مشہور نقاد اور ادیب اختر اورینوی لکھتے ہیں: "اس تفسیر اکبر کے عالم علم و عرفان کی تجلیات بیان کرنے کے لئے دفتر در دفتر چاہئیں۔ یہ تفسیر ملت اسلامیہ کی بے بہا دولت ہے۔ قرآن حکیم کی اس تفسیر سے امت محمدیہ کا مستقبل وابستہ ہے"۔

مزید لکھتے ہیں کہ انگریز مصنف وادیب کارلائل نے قرآن مجید کے محاسن کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ بات کہہ دی تھی کہ "قرآن ایک خوبصورت مگر بے ربط بیان ہے۔ مگر حضرت مرزا محمود احمد نے نہایت لطیف و بلیغ انداز میں اس امر کو درجہ یقین تک پہنچادیا کہ قرآن مجید ایک کتاب عظیم ہے اور اس کے ابواب وعناصر، اس کی سورتیں اور آیاتِ گل دمیدہ کی طرح، حسن یوسف کی مانند، نظام شمسی کی مثال مربوط، منظّم، متناسب، ہم آہنگ اور حسین ہیں"۔

تفسیر کبیر کا مطالعہ کرنے کے بعد علامہ نیاز فتح پوری نے حضورؓ کی خدمت میں لکھا: "آپ کی وسعت نظر، آپ کی غیر معمولی فکر و فراست، آپ کا حسن استدلال اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے......اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں"۔

نواب بہادر یار جنگ بھی اس تفسیر کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھتے تھے۔

پروفیسر عبدالمنان بیدل صدر شعبہ فارسی پٹنہ یونیورسٹی نے کہا "مرزا محمود کی تفسیر کے پایہ کی کوئی ایک تفسیر بھی کسی زبان میں نہیں ملتی......"۔

حضرت سیدہ چھوٹی آپا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت مصلح موعودؓ جن دنوں حضورؓ نے تفسیر کبیر لکھی، نہ آرام کا خیال رہتا تھا نہ سونے کا نہ کھانے کا، بس ایک ہی دھن تھی کہ کام ختم ہوجائے۔ رات کو عشاء کی نماز کے بعد لکھنے بیٹھتے تو کئی دفعہ ایسا ہوا کہ صبح کی اذان ہوگئی اور لکھتے چلے گئے۔ تفسیر صغیر تو لکھی ہی بیماری کے حملہ کے بعد۔ ڈاکٹر کہتے تھے آرام کریں، فکر نہ کریں، زیادہ محنت نہ کریں لیکن آپؓ کو ایک دھن تھی کہ قرآن کے ترجمہ کا کام ختم ہوجائے۔ بعض دن صبح سے شام ہوجاتی اور لکھواتے رہتے۔ کبھی مجھ سے املا کرواتے، مجھے گھر کا کام ہوتا تو مولوی یعقوب صاحب مرحوم کو ترجمہ لکھواتے رہے۔ آخری سورتیں لکھوارہے تھے کہ مجھے تیز بخار ہوگیا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میرے ہی ہاتھوں سے یہ مقدس کام ختم ہو۔ مَیں نے کہا کہ مَیں نے دوائی کھالی ہے، آج یا کل بخار اتر جائے گا۔ دو دن آپ بھی آرام کرلیں اور آخری حصہ مجھ سے ہی لکھوائیں۔ نہیں مانے کہ میری زندگی کا کیا اعتبار۔ تمہارے بخار اترنے کے انتظار میں مجھے موت آجائے تو؟ سارا دن ترجمہ اور نوٹس لکھواتے رہے اور شام کے قریب تفسیر صغیر کا کام ختم ہوگیا۔

قرآن کریم کی تلاوت کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، جب بھی وقت ملا، تلاوت کرلی۔ عموماً یہ ہوتا کہ صبح اٹھ کر ناشتہ سے فارغ ہوکر ملاقاتوں کی اطلاع ہوئی، آپ انتظار میں ٹہل رہے ہیں اور ایک ورق بھی نہیں الٹا۔ دوسرے دن دیکھا تو پھر وہی صفحہ۔ مَیں نے کہا کہ آپ پڑھ نہیں رہے تو فرماتے ایک آیت پر اٹک گیا ہوں جب تک اس کے مطالب حل نہیں ہوتے آگے کس طرح چلوں؟

مزید بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ یونہی مَیں نے پوچھا کہ آپ نے کبھی موٹر چلانی سیکھی؟ کہنے لگے ہاں ایک دفعہ کوشش کی مگر اس خیال سے ارادہ ترک کردیا کہ ٹکر نہ ماردوں۔ ہاتھ پہیے پر تھے اور دماغ قرآن مجید کی تفسیر میں الجھا ہوا تھا۔ موٹر کیسے چلاتا؟

اکثر قرآن پڑھتے پڑھتے کہتے اچھا بتاؤ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ مَیں جو سمجھ آتی، کہہ دیتی۔ تو پھر کہتے کہ یہ نکتہ سوجھا ہے اور اس آیت کے یہ نئے مطالب ذہن میں آئے ہیں۔

آپ بیان فرماتی ہیں کہ جب تفسیر کبیر کی پہلی جلد شائع ہوئی تو فرمایا کہ اسے پڑھو، میں تمہارا امتحان لوں گا۔ مَیں نے کہا اتنی موٹی کتاب ہے اگلے سال امتحان لے لیں۔ کہنے لگے نہیں صرف ایک ماہ۔ اگر زیادہ مہلت دی تو تم کبھی بھی نہیں پڑھو گی، یہی خیال ہوگا کہ بڑا وقت پڑا ہے، پڑھ لوں گی۔ پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ زبانی یاد کرو بلکہ شروع سے آخر تک بس پڑھ جاؤ، خود ہی ذہن نشین ہوجائے گا۔ جب مَیں نے بہت اصرار کیا تو کہنے لگے اچھا اڑھائی مہینے۔ پھر اڑھائی مہینے بعد آپؓ نے دو تین سوال پوچھ کر میرا امتحان لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی عزت رکھ لی کہ جواب آگئے۔

محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے اپنے بچپن سے پختہ عمر تک حضورؓ کو نہایت قریب سے دیکھنے کے مواقع ملے۔ آپؓ حضرت اماں

جانؓ کے صحن سے گزر کر نماز پڑھانے مسجد جاتے اور واپسی پر خصوصاً نماز مغرب کے بعد کچھ وقت حضرت اماں جانؓ کے پاس گزارتے اور وہاں موجود عزیزوں سے بھی گفتگو فرماتے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ قرآن مجید حکمت و دانش کا سمندر ہے، تم بچوں کو اس کے مطالعہ کی عادت ڈالنی چاہیئے تا تم اس سے حکمت کے موتی نکال سکو، اگر تم ابھی بالغ نظری کی عمر تک نہیں بھی پہنچے تو کم از کم سیپیاں ہی نکالنے کی اہلیت پیدا کرلو۔

حضرت قاضی تاج الدین صاحبؓ کو ۱۸۹۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کی سعادت نصیب ہوئی۔ قرآن کریم اور دینی کتب پڑھانے کا سلسلہ اپنے مسجد سکول میں آپؓ ہمیشہ جاری رکھتے۔ علم دوست تھے اور پنجابی میں شعر بھی کہتے تھے۔ نماز اور قرآن کریم کے کچھ حصوں کا پنجابی میں منظوم ترجمہ بھی کیا۔ آپؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جب مجھے حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کے درس میں شرکت کا موقع ملا تو میں نے خیال کیا کہ حضرت مولوی صاحبؓ کے بعد قرآن کریم کا علم اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی عطا کیا ہے۔ لیکن جیسے ہی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کی تقاریر سنیں تو میں نے محسوس کیا کہ قرآن کریم کا جو علم حضرت میاں صاحب کو قدرت نے عطا کیا ہے اس کے سامنے میرے علم کی کوئی حیثیت نہیں۔ اور میں نے شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تکبر سے بچالیا۔

تفسیر کبیر دس جلدوں میں ۵۹۰۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ تحریر نسبتاً باریک رکھی گئی ہے تاکہ کم سے کم جلدوں میں مواد آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضورؓ کو قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر کا جو غیر معمولی اعجاز بخشا تھا اس کا اظہار کرتے ہوئے آپؓ نے علماء دین اور دانشوروں کو چیلنج دیا کہ مقابل پر تفسیر لکھیں۔ آپؓ فرماتے ہیں: "خدا نے اپنے فضل سے فرشتوں کو میری تعلیم کے لئے بھجوایا اور مجھے قرآن کے اُن مطالب سے آگاہ فرمایا جو کسی انسان کے واہمہ و گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے۔ وہ علم جو خدا نے مجھے عطا فرمایا اور چشمہ روحانی جو میرے سینے میں پھوٹا وہ خیالی قیاسی نہیں بلکہ ایسا قطعی اور یقینی ہے کہ مَیں ساری دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس دنیا کے پردہ پر کوئی شخص ایسا ہے کہ جو یہ دعویٰ کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے قرآن سکھایا گیا ہو تو مَیں ہر وقت مقابلہ کیلئے تیار ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں آج دنیا کے پردہ پر سوائے میرے اور کوئی شخص نہیں جسے خدا کی طرف سے قرآن کریم کا علم عطا فرمایا گیا ہو۔ خدا نے مجھے علم قرآن بخشا اور اس زمانہ میں اس نے قرآن سکھانے کیلئے مجھے دنیا کا استاد مقرر کیا ہے"۔

حضورؓ اپنا ایک کشف بھی بیان فرماتے ہیں جس میں خدا کے ایک فرشتے نے آپؓ کو سورۃ فاتحہ کی تفسیر سکھائی۔ حضورؓ فرماتے ہیں: "یہ رؤیا اصل میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بیج کے طور پر میرے دل و دماغ میں قرآنی علوم کا ایک خزانہ رکھ دیا ہے چنانچہ وہ دن گیا اور آج کا دن آیا، کسی موقعہ پر بھی ایسا نہیں ہوا کہ مَیں نے سورۃ فاتحہ پر غور کیا ہو یا اس کے متعلق مضمون بیان کیا ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئے سے نئے معارف اور نئے سے نئے علوم مجھے عطا نہ فرمائے گئے ہوں"۔

حضورؓ مزید فرماتے ہیں: "ایک دفعہ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ بسم اللہ ہر ایک سورۃ کی کنجی ہے، تبھی ہر سورۃ کے ساتھ نازل ہوئی ہے"۔

نیز فرمایا: "ترتیب کا مضمون ان مضامین سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے خاص طور پر سمجھائے ہیں"۔

فرماتے ہیں: "قرآن کریم کی ترتیبیں بیسیوں آیات کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور القاء مجھے سمجھائی گئیں۔ مثلاً سورۃ بروج اور سورۃ طارق کا یہ جوڑ کہ ان میں سے ایک سورۃ میں مسیحیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور دوسری سورۃ میں یہودیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی ان مضامین میں سے ہے جو لوگوں کی نگاہ سے مخفی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ سے ان کو ظاہر فرمایا اور مجھے وہ دلائل دیئے جن سے مَیں اپنے اس استدلال کو پوری قوت سے ثابت کر سکتا ہوں"۔

اسی طرح فرمایا: "کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ سجدہ کے وقت خصوصاً نماز کے آخری سجدہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے بعض آیات کو مجھ پر حل کر دیا"۔

اگر ہم بعض آیات کے حوالہ سے مختلف مترجمین کے تراجم کا تقابلی جائزہ لیں تو آپ کو علم ہوگا کہ حضرت مصلح موعودؓ کا بیان فرمودہ ترجمہ سب سے زیادہ موزوں ہے۔ انتہائی محبت سے جیسے اپنے محبوب کی تصویر کشی کی کوشش کی جاتی ہے، گویا وہی انداز ہے۔ چنانچہ دو تین مثالیں پیش کرتا ہوں۔

مثلاً آیت: اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا حضورؓ نے ترجمہ کیا: "اللہ انہیں ان کی ہنسی کی سزا دے گا"۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے کیا: "اللہ تعالیٰ استہزا کر رہے ہیں ان کے ساتھ"۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب یوں کرتے ہیں: "اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے"۔

آیت: وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ کا ترجمہ حضورؓ نے یوں کیا: "اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے"۔ جبکہ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی صاحب کہتے ہیں: "اور مکر کیا اللہ تعالیٰ نے اور اللہ بہتر ہے مکر کرنے والوں کا"۔ اور مولانا فتح محمد خانصاحب جالندھری کہتے ہیں: "اور خدا خوب چال چلنے والا ہے"۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ اور بعض دیگر انبیاء کے بارہ میں آیات کریمہ کے بعض مترجمین نے جو معانی بیان کئے ہیں وہ نبی کی عصمت کو داغدار کرتے ہیں مگر حضورؓ عصمت انبیاء کو ملحوظ رکھتے ہوئے اُن آیات کا ترجمہ و تفسیر فرماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غیروں نے حضورؓ کے ترجمہ و تفاسیر کی دل کھول کر تعریف کی ہے۔

علامہ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں: "اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا بالکل نیا زاویۂ فکر آپ نے پیدا کیا ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے جس میں عقل کو بڑے حسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے۔ آپکے تبحر علمی، آپکی وسعت نظر، آپکی غیر معمولی فکر و فراست، آپکا حسن استدلال، اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے"۔

سید جعفر حسین، B.A; LLB.، حیدر آباد دکن لکھتے ہیں: "مجھے اس تفسیر میں زندگی سے معمور اسلام نظر آیا۔ اس میں وہ سب کچھ تھا جس کی مجھے تلاش تھی۔ تفسیر کبیر پڑھ کر مَیں اسلام سے پہلی دفعہ روشناس ہوا"۔

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے)